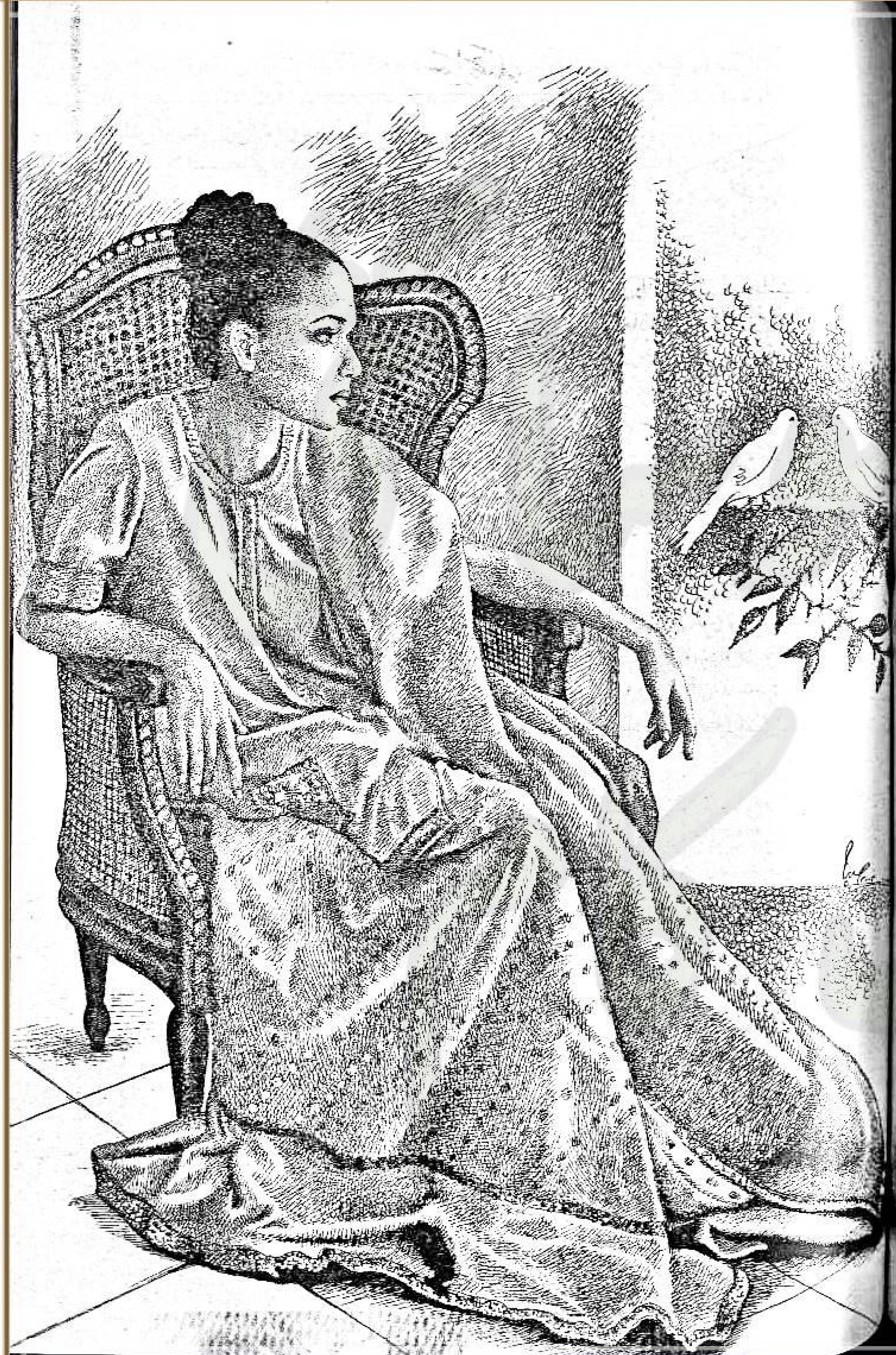


سمیرا حمید

سادو

امرحہ کی پیدائش کے وقت اتفاقی طور پر رونما ہونے والے چند ناگوار اور نقصان دہ واقعات کے سبب وہ اپنے خاندان میں "منحوس" مشہور ہو جاتی ہے۔ اس کے بابا، اماں، دادی اور تینوں بہن بھائی دانیہ، عماد اور علی اسے اکثر جنم جلی، منحوس، کالی نظر اور کالی زبان کہتے رہتے ہیں۔ یہاں تک کہ اس کی منگنی بھی ان ہی افواہوں کی وجہ سے ٹوٹ جاتی ہے۔ اپنی نحوست کے صبح شام قصے سن کر امرحہ خود ترسی کا شکار ہو کر روتی رہتی ہے۔

پورے گھر میں صرف دادا ہی اس کی دل جوئی کرتے ہیں اور گھر والوں کی باتوں کو لغو قرار دیتے ہوئے امرحہ کو بھی ان پر کان دھرنے سے منع کرتے ہیں۔ امرحہ کی اپنے دادا سے خوب بنتی ہے۔ وہ سارا دن ان کے ساتھ پنجاب لائبریری میں گزارتی ہے۔ جہاں وہ لائبریرین تھے۔ دادا اسے سمجھاتے ہیں کہ تم پڑھائی پر دھیان دو اور اسکالر شپ لے کر باہر ملک چلی جاؤ۔ امرحہ اپنے باقی بہن بھائیوں کی طرح پڑھائی میں کمزور ہے، مگر دادا کی بات پر وہ ٹاپ کرنے کے لیے جدوجہد شروع کر دیتی ہے، مگر پھر بھی بہت اچھے نمبر حاصل نہیں کر پاتی۔ اسی دوران اس کی شادی کا سلسلہ چلتا ہے، مگر پندرہ روز قبل دولہا کی جوان بہن کے بیوہ ہو جانے پر اس کی شادی رہ جاتی ہے اور اس کی نحوست پر ٹھپہ لگ جاتا ہے۔ امرحہ دل برداشتہ ہو کر نیند کی گولیاں کھا کر خودکشی کی کوشش کرتی ہے تاہم بچ جاتی ہے۔ اس واقعہ کے بعد امرحہ کی زندگی مزید تلخ ہو جاتی ہے۔ وہ مختلف بیرون ملک کالج و یونیورسٹیوں کے ہزاروں آن لائن اسکالر شپ فارم بھرتی ہے، مگر ہر جگہ سے انکار ہوتا رہتا ہے۔ بالآخر مانچسٹر یونیورسٹی سے اسے اسکالر شپ مل جاتا ہے۔ جو اس یونیورسٹی کی طلبا سوسائٹی اپنے ذاتی فنڈ سے دیتی ہے۔ جس کی رو سے امرحہ کو تیس فیصد ادا کرنا ہوتا ہے باقی ستر فیصد کی ادائی ان کی طرف سے ہوگی۔ اس کے علاوہ وہ دن کی میزبانی کے

مکمل ناول



بعد امرحہ کو اپنی رہائش اور اخراجات کا خود بندوبست کرنا ہوگا۔ یہ سب باتیں اسے برطانیہ پہنچنے کے بعد دائم بتاتا ہے۔ دادا جی امرحہ کے لیے پیسے اکٹھے کرکے اسے برطانیہ بھجوا دیتے ہیں۔ باقی اسے خود اپنے بل بوتے پر کرنا ہوگا۔ عذرا' شرلی' بینی لو اور للی کول سے اس کی ابتدائی ملاقات ہوتی ہے۔

امرحہ پڑھنے کے ساتھ ساتھ ایک کافی شاپ میں جاب کرنے لگتی ہے اور لیڈی مہر کے گھر اس کی رہائش کا بندوبست بھی ہوجاتا ہے۔ لیڈی مہر بے اولاد خاتون ہیں۔ انہوں نے اپنے شنل کاک نامی اپنے ہاسٹل نما گھر میں مختلف بچوں کو اولاد کی طرح رکھا ہے۔ ان ہی میں ایک عالیان مارگریٹ ہوتا ہے۔ وہیں سادھنا' ویرا اور این اون سے اس کی دوستی ہوجاتی ہے۔ جاب کے دوران وہ ڈیرک کے ساتھ مل کر ڈاکومنٹری فلم بنانے لگتی ہے۔

اسی دوران امرحہ کے بابا جن کی اعظم مارکیٹ میں قالین کی دکان ہوتی ہے' آگ لگ جاتی ہے۔ جس سے ان کا بیس پچیس لاکھ کا نقصان ہوجاتا ہے۔ انہیں اٹیک ہوجاتا ہے۔ امرحہ انہیں تسلی دیتی ہے اور ڈاکومنٹری فلم سے ملنے والے پیسے ان کے اکاؤنٹ میں ٹرانسفر کروا دیتی ہے۔ اس کے علاوہ لیڈی مہر بھی اسے ایک چیک دیتی ہیں۔ امرحہ وہ رقم بھی پاکستان بھجوا دیتی ہے۔ امرحہ کے والد بہت خوش ہوتے ہیں۔ امرحہ اپنی کمرے کی کھڑکی میں کھڑی ہوتی ہے جب عالیان مارگریٹ کسی اسپائیڈر مین کی طرح اس کی کھڑکی میں جھانکتا ہے۔ امرحہ کی چیخ نکل جاتی ہے۔

عالیان بتاتا ہے' یہ اس کا گھر ہے' وہ اس کے کمرے کی کھڑکی سے کود کر باہر نکل گیا' تھوڑی دیر بعد گھر میں آوازیں گونجنے لگیں تو سادھنا نے بتایا کہ لیڈی مہر کا بیٹا آیا ہے۔ وہ لیڈی مہر کے کمرے میں گئی تو دیکھا کہ وہ لیڈی مہر کے بیڈ پر بیٹھا انہیں کیک کھلا رہا تھا۔ اسے یاد آیا کہ لیڈی مہر نے ایک بار بتایا تھا کہ ان کا بیٹا بھی اس کی یونیورسٹی میں پڑھتا ہے اور بہت قابل ہے۔

امرحہ کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ اس کا نام عالیان تھا اور اس کی ماں کا نام مارگریٹ۔ اسے عجیب سا لگا' ناجائز؟

دوسرے دن لیڈی مہر کی سالگرہ تھی' جوان کے بچوں نے بڑے اہتمام سے منائی۔ انہوں نے امرحہ کو عالیان کے بارے میں بتایا کہ انہوں نے اسے ایک ادارے سے لیا تھا اور بڑی تن دہی سے اس کی تربیت کی ہے۔ امرحہ کو افسوس ہوا کہ اس کی اماں نے کبھی بیٹوں کی تربیت پر توجہ نہیں دی تھی۔

ویرا کا ساتھ امرحہ کو احساس دلا رہا تھا کہ عورت بھی بہادر ہوسکتی ہے۔ عالیان کی توجہ نے امرحہ کو ایک عجیب احساس سے دوچار کردیا' وہ لاشعوری طور پر عالیان سے متاثر ہورہی تھی۔

۳ — تیسری قسط

اور مشرقی لڑکیوں کے لیے یہ موت جلد نازل ہوتی ہے۔

وہ برف سے اٹی زمین پر چل رہی ہے لیکن ایسا کیوں لگ رہا ہے کہ وہ زمین میں دھنس رہی ہے۔

دل احساسات کا اکھاڑا ہے اور دماغ اس اکھاڑے کا شیر۔۔۔ یہ شیر دھاڑتا ہے تو دل جل کر۔۔۔ بجھ کر۔۔۔ ٹھنڈا ہو کر بیٹھ جاتا ہے۔۔۔

مشرق کے اکھاڑوں میں یہ شیر نگر نگر پایا جاتا ہے۔

مشرق سنیاسی بھی ہے اور سامری بھی۔۔۔

مشرق میں پریت بھی ہیں اور ریاتال بھی۔۔۔

سنگ پارس بھی۔۔۔ سنگ راہ بھی۔۔۔

جوت بھی۔۔۔ جھوک دیپ بھی۔۔۔

یہاں جوگ بھی ہے اور جوگن بھی۔۔۔

ایسی زرخیز دھرتی کے باسیوں پر موت کیوں نازل نہ ہوا کرے۔

☼ ☼ ☼

کہا جاتا ہے کہ شادی ایک ایسا مقدس فریضہ ہے جس کی ادائی کے دوران آپ فرشتوں سے "ابدی محبت" کی دعاؤں کے تحائف وصول پاتے ہیں۔

اور یہ بھی کہا جاتا ہے کہ شادی خوش نصیب لوگ کرتے ہیں۔

کچھ یہ بھی کہ کائنات میں حقیقی جشن کا لمحہ دو دلوں کے مقدس ملن کا لمحہ ہوتا ہے۔

اور جائز ہونے کی بڑی اہمیت ہے۔

اور اجازت نامے کا بلند رتبہ ہے۔۔۔ بلند بہت بلند۔

اور پاک کتابیں' حکایتیں بتاتی ہیں کہ کائنات کی' اشرف المخلوق کی اولین شادی عرش خدا پر انجام پائی اور بعد ازاں ہونے والی ہر شادی عرش خدا پر انجام پائی شادی کا ہی رتبہ پاتی ہے۔

نکاح۔۔۔ سب سے پاک اور پسندیدہ روایت۔۔۔

نکاح۔۔۔ دو دلوں کی فضیلت۔۔۔

اور داستانیں یہ بھی کہتی ہیں کہ تبت کے برفیلے پہاڑوں میں روپوش ایک مشک بار پری' اپنی بہترین پوشاک میں طویل مسافت طے کرتی اس مشک مشک بندھن میں بندھنے والوں پر مشک بید (بید کے خوشبو دار پھول) برسا کر جاتی ہے۔ جاتے جاتے وہ تحفے کے طور پر دولہا دلہن کی مسکراہٹیں اپنی مٹھی میں قید کرکے لے جاتی ہے۔

اور شادی عہد قدیم کا وہ عہد نامہ بھی ہے' جس کا ورد "عہد جدید" میں بھی عزت واحترام اور محبت سے کیا جاتا ہے۔

مورگن کرسمس کی رات کو آچکی تھی۔ ماما مہر نے اس کی شادی کے لیے ٹھیک ٹھاک تیاریاں کی تھیں۔ کیمبرج میں مورگن نے شادی کے بعد رہنے کے لیے جوش کے ساتھ مل کر ایک چھوٹا سا گھر لیا تھا۔ جس کی سجاوٹ کے لیے ماما مہر نے پیسے مورگن اور جوش کو دیے' جو دونوں نے بہت مشکل سے قبول کیے۔ مورگن نے شادی کے لباس' زیورات' شادی کے دن اور آفٹر پارٹی کے سب انتظامات ماما مہر کی پسند سے کیے تھے۔ حتیٰ کہ اس نے شادی کی انگوٹھی بھی ماما مہر کی پسند کی لی تھی۔

ماما مہر کے سامنے ان کی "میں" ختم ہوجاتی تھی اور ماما مہر بھی ان کی آنکھوں میں پڑھ لیتی تھیں کہ ان کے بچے کیا چاہتے ہیں' یہ ماں اور اولاد کا وہ رشتہ تھا جس کی مثال نہیں ملتی تھی۔

اپنی شادی کی تیاری سے زیادہ مورگن کو ماما مہر کے کام کرنے میں دلچسپی تھی۔ بیمار لڑجانے سے زیادہ اسے یہ فکر تھی کہ ماما مہر نے میڈیکل چیک اپ کے لیے جانا ہے۔ جوش فون کرتا رہتا تھا اور وہ اسے چند سیکنڈ بات کرکے ڈانٹ دیا کرتی تھی۔

"مجھے ڈسٹرب نہ کرو' ماما کے ساتھ بات کررہی ہوں۔" کیمبرج کی ہزاروں داستانیں وہ ماما کو سنایا کرتی اور دونوں کے قہقہوں سے شنل کاک گونجا کرتا۔

مورگن نے سادھنا اور امرحہ کو Mates Brides (شہ بالیاں) بننے کے لیے کہا۔ امرحہ جس نے پاکستان میں اپنی نحوست کی داستانوں کی وجہ سے شادیوں میں شرکت نہیں کی تھی۔ وہ مورگن کی شادی کے لیے اتنی پُرجوش تھی جیسے اس کی اپنی شادی ہو۔ لیڈی مہر نے شہ بالیوں کے لیے سنہری رنگ کو پسند کیا تھا۔ سادھنا کی سنہری ساڑھی بنوادی گئی تھی۔ شارلٹ اور مورگن کی چند سہیلیاں' جن کی آمد متوقع تھی اور امرحہ کے لیے انگریزی طرز کی ٹخنوں تک لمبی فراکیں۔

فراک کا اوپری حصہ قدرے چست تھا جو نیچے آتے آتے لہریں بناتے گھیردار ہوتا چلا جاتا تھا۔۔۔ ذرا سی حرکت سے ان لہروں میں تلاطم پیدا ہوجاتا جو بہت بھلا لگتا تھا۔ سنہرے موتیوں سے فراک کی پشت کو سجایا گیا تھا اور لہروں میں اسے ٹانکا گیا تھا کہ جنبش پر وہ لہروں کے ساتھ جھلمل کرتے گپ چھپ ہونے لگتے تھے۔

امرحہ کے لیے دوپٹے کی جگہ سنہری اسکارف نما کپڑا تھا جسے کندھوں کے پیچھے سے لا کر بائیں شانے پر آگے لہریں دے کر سنہری بروچ لگا کر چھوڑ دیا گیا تھا۔ یہ کام فراک کی ڈیزائنر نے کیا تھا اور کیا کمال کیا تھا کہ امرحہ دوپٹے کے اس انداز پر حیران رہ گئی۔ دوپٹے کی کمی بھی

پوری ہوگئی اور فیشن بھی ہوگیا۔

فراک بلاشبہ بہت مہنگی تھی اور امرحہ سے ایک پونڈ بھی نہیں لیا گیا تھا۔ لیڈی مہر کی لاڈلی بیٹی کی شادی تھی۔ باقی جن بچوں نے شادیاں کی تھیں انہوں نے رجسٹر میرج کی تھی۔ یہ پہلی شادی تھی جو لیڈی مہر کی خواہش پر اتنے اہتمام سے ہورہی تھی اگر مورگن کے بس میں ہوتا تو شاید وہ ایک پونڈ بھی اپنی شادی پر خرچ نہ کرتی۔ جب شادی کے ہال میں دلہن کے کمرے میں ماما مہر نے مورگن کو دلہن بنے دیکھا تو وہ بے اختیار رونے لگیں۔ وہ مورگن کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لیے بیٹھی رہیں ــــ اسے دعائیں دیتی رہیں۔ اس کی نظر اتارتی رہیں ــــ اور مورگن اپنی گھیردار سفید پوشاک کو کارپٹ پر پھیلائے ماما مہر کے قدموں میں بیٹھی ان کے آنسو اپنے ہاتھ میں پکڑے ٹشو سے صاف کرتی رہی ــــ اس سے زیادہ مقدس منظر اور کون سا ہو سکتا تھا بھلا ــــ؟

گلابی پھولوں کا دستہ پکڑے کونے میں کھڑی امرحہ اس منظر کو دیکھ رہی تھی۔ اسے یقین تھا کہ اپنی آئندہ زندگی میں وہ اس خاتون مہر سے زیادہ عظیم ہستی سے نہیں مل سکتی نہ ہی وہ خود ان جیسی عظیم ہو سکتی ہے۔ جس نے ہر قوم و نسل کے بچوں سے والہانہ پیار کیا ــــ انہیں پالا ــــ انہیں اپنا بنایا ــــ انہیں یقین دلایا کہ وہ ان کے نہ ہو کر بھی ان ہی کے ہیں ــــ وہ ان کی حقیقی ماں بے شک نہیں ہیں لیکن حقیقی ماں سے کسی صورت کم بھی نہیں ہیں۔

یہ سب کرتے خاتون مہر نے بلاشبہ دو رتبے پائے ہیں ــــ ایک عظیم ماں ہونے کے اور ایک عظیم انسان ہونے کے ــــ انہوں نے ان سب کے لیے خوشیوں کے سامان اکٹھے کیے ــــ کامیابی کے بھی ــــ ان کے لیے محبت کو کبھی تفریق نہیں کیا ــــ وہ انہیں جمع کر کر کے دیتی رہیں ــــ انہیں ضرب ہو ہو کر ملتی رہی۔

کائنات میں یہ خصوصیت صرف محبت ہی اپنے نام رکھتی ہے۔ یہ دینے سے اور زیادہ ملتی ہے ــــ یہ پلٹ کر واپس ضرور آتی ہے ــــ خسارے میں رہ کر بھی فائدے میں رہتی ہے۔

محبت جب خلوص دل سے انسانیت کے نام پہ کی جائے تو وہ آپ کو عظیم بنا ڈالتی ہے۔

عظمت کی بلندیوں تک لے جانے کا وصف محبت کے علاوہ کسی اور جذبے میں نہیں۔

اس لمحے میں امرحہ نے یہ سوچا تھا کہ کچھ لوگ ہمارے اپنے نہ ہو کر بھی ہمیں کتنی خوشی دے دیتے ہیں ــــ اور کچھ جو ہمارے اپنے ہوتے ہیں وہ کیسے ہمیں آٹھ آٹھ آنسو رُلاتے ہیں۔ وہ دادی اور اماں کے بارے میں سوچ رہی تھی، اپنے خاندان والوں کے بارے میں جنہیں اس وقت راحت ملا کرتی تھی جب وہ کرب میں ہوا کرتی تھی۔ اس کی شکل دیکھتے ہی انہیں یاد آجایا کرتا تھا کہ اسے کیسے کیسے تکلیف دی جا سکتی ہے۔

شہہ بالیاں تین تین کی قطار میں دلہن مورگن کے پیچھے دائیں بائیں اپنے اپنے گلدستے پکڑے کھڑی تھیں۔ وہ ہال کے قد آدم دروازے کے پاس آکر کھڑی ہو چکی تھیں۔ دلہن گھبرا رہی تھی اور وہ بار بار اپنی سانسیں درست کر رہی تھی۔

ہال میں سب اس کی آمد کے منتظر تھے۔ دلہن کا ہی انتظار کیا جا رہا تھا۔ برطانوی معاشرے میں جہاں ایک منٹ ادھر سے ادھر ہونے نہیں دیا جاتا صرف ایک دلہن کو دس منٹ تاخیر کی اجازت ہے ــــ لیکن انگریزی خون کی حامل دلہنیں دس منٹ کی تاخیر بھی گناہ سمجھتی ہیں ــــ برطانوی شہزادی لیڈی ڈیانا کی بہو کیٹ ملٹن ڈچز آف کیمبرج نے ایک سیکنڈ کی تاخیر بھی نہیں کی تھی ــــ پاکستانی دلہنیں اور باراتی سن لیں ایک سیکنڈ کی تاخیر بھی نہیں ــــ

اور وقت کی پابندی وہی قومیں کرتی ہیں جنہیں وقت پر منزل پر پہنچنے کی جلدی ہوتی ہے ــــ جو وقت کو ہندوستان کے کوہ نور سے زیادہ قیمتی سمجھتی ہیں ــــ وہ نہیں جن کی کوئی منزل ہوتی ہے نا مقصد ــــ وقت آئے یا جائے ان کی بلا سے ــــ اور وہ کیا جانے وقت کس "کوہ نور" کا نام ہے۔

اور یہ خوش قسمتی بھی صرف عورت کے نصیب میں لکھی گئی ہے کہ دلہن بنے اسے کسی شہزادی اور ملکہ سے کم نہیں سمجھا جاتا ــــ

عورتوں کو اپنی کم مائیگی کے رونے رونے چھوڑ دینے چاہئیں ــــ وہ ماں بنتی ہیں تو وہ سب رشتوں سے الگ اونچے مقام پر کھڑی تصور کرلی جاتی ہیں ــــ ایک کم عقل بھی سمجھ جاتا ہے کہ "عورت ماں" بن جائے تو پھر کوئی اور اس کی برابری نہیں کر سکتا۔

بلند و بالا چھت اور قد آدم پھولوں سے سجی کھڑکیوں سے گھرے، قدیم برطانوی طرز تعمیر کے چرچ نما ہال کے سرخ قالین پر سفید رنگ کی سنڈریلا فراکیں پہنے اور سر پر گلابی ربن باندھے دو انگریز بچیاں اپنی پھولوں کی ٹوکریوں میں سے پھولوں کی پتیاں نکال نکال کر دلہن مورگن کے آگے چلتے ہوئے پھینک رہی تھیں۔

دلہن نے ہال کے کھلے پھاٹک سے اندر قدم رکھا ــــ سب کی گردنیں پیچھے اس کی طرف مڑیں ــــ ٹھیک اسی وقت ہال کے اندر پادری سے ذرا ہٹ کر بیٹھے سولہ رکنی وائلن گروپ نے اپنے ساز سنبھالے اور نرمی سے انہیں چھیڑا ــــ وہ اس دھن کو بجانے کی تیاری کرنے لگے جو فرشتوں کی دعاؤں کے ساتھ ہم آہنگ ہو سکے۔

ٹھیک اسی وقت ــــ عین اسی وقت کوئی تیزی سے بھاگتے کالے سوٹ پر ہلکے نیلے رنگ کی ٹائی باندھتے دلہن کے پیچھے تین ادھر اور ادھر قطار کی صورت چلنے کی تیاری کرتی سہبالیوں کے پیچھے آیا ــــ امرحہ دائیں طرف شارلٹ کے پیچھے آخر میں تھی ــــ

سنہرے پانیوں سے نکلی ــــ ایک امرحہ ــــ

عربی شہزادے کے گھوڑے سے اُترا ــــ ایک عالیان ــــ

وائلن کے دھیمے سُر اسی وقت دولہا دلہن سے سجے ہال میں بکھرے ــــ

عالیان کی آمد کی ایسی خوشی ــــ

کیا انٹری تھی عالیان کی ــــ وہ سرنگیت ساتھ لایا تھا۔

آہٹ پر امرحہ نے گردن موڑ کر دیکھا ــــ وہ جلدی جلدی اپنی ٹائی کو باندھنے کی کوشش کر رہا تھا، شاید اس نے زندگی میں پہلی بار سوٹ اور ٹائی پہنی تھی۔ ٹائی کو وہ ایسے باندھ رہا تھا جیسے گلے میں پھندے کو فٹ کر رہا ہو۔

اسے تو ایک ہفتے بعد آنا تھا، وہ ایک ہفتہ پہلے کیسے آ گیا تھا ــــ امرحہ کے پیچھے چلتے وہ اپنی ٹائی کے ساتھ مصروف تھا ــــ شاید اسے بھی خود کو ہر صورت دولہا کی طرح خوب صورت دکھانا تھا ــــ اس کے بال سلیقے سے جمے تھے۔

"کہا جاتا ہے کہ شادی کے دن کوئی مرد اور کوئی عورت دولہا دلہن سے زیادہ خوب صورت نہیں لگ سکتے۔ اور میرا یہ کہنا ہے کہ اگر کوئی لڑکا لڑکی دولہا دلہن سے زیادہ خوب صورت لگنے کی کوشش کرتے ہیں تو ان کے معاملے میں شدید گڑبڑ ہوتی ہے ــــ اس کی شادی

نہیں بھی ہوتی اور وہ اپنی شادی جیسا خوش ہوتا ہے۔۔۔ ہنسنے کی بات نہیں بھی ہوتی اور وہ ہنس رہا ہوتا ہے۔۔۔ شدید گڑبڑ کا معاملہ ہوتا ہے بلاشبہ۔" مجھے بتایا جائے کہ دلہن کون ہے؟ کیا صرف سفید لباس والی؟"

امرحہ کے عین پیچھے چلتے موتیوں سے گندھے بالوں سے ذرا پیچھے ذرا قریب ہو کر سرگوشی میں پوچھا۔

امرحہ نے اس کی بات پر توجہ نہ دی۔ وہ سفید پھولوں سے سجے ہال کو دیکھ رہی تھی اور بے حد اونچی چھت سے جھولتے کئی میٹر چوڑے اور لمبے فانوس کو جس کی روشنی نے سارے ہال کو بقعہ نور بنا ڈالا تھا۔ وائلن تھے قمقمے تھے' پھول تھے' قہقہے تھے' دولہا دلہن تھے۔ عالیان اور امرحہ تھے اور اس تقریب کو کیا چاہیے تھا؟

لیڈی مہر کے سب بچے اپنے اپنے بچوں' بیویوں اور کچھ دوسرے دوستوں کے ساتھ موجود تھے۔ بائی جوش کے گھر والے' رشتے دار اور دوست تھے۔ کافی زیادہ لوگ تھے' سب دو اطراف نشستوں پر براجمان تھے۔

امرحہ کے پیچھے سے گھوم کر ماما مہر کے ہاتھ کو چوم کر عالیان جلدی سے جا کر دولہا کے پاس کھڑا ہو گیا۔ اس نے جوش سے ہاتھ ملایا۔ اپنا تعارف کروایا اور جوش کے شہ بالا کے ساتھ جا کر کھڑا ہو گیا۔

دلہن پادری کے سامنے اور دولہا کے سامنے آ کر کھڑی ہو گئی۔ سب کھڑے ہو گئے۔ تعظیم میں' پھر شادی کی رسم شروع ہو گئی۔

اجازت نامہ دیا جانے لگا۔

اجازت نامہ دہرایا جانے لگا۔

شہ بالیاں دلہن سے پیچھے ہٹ کر قطار میں کھڑی ہو گئیں۔۔۔ وہ سب دولہا اور دلہن کو دیکھ رہی تھیں۔

امرحہ واجد آج بہت خوش تھی۔ یہ پہلی تقریب تھی جس میں وہ روئے بنا شریک تھی۔ ڈرے بنا۔۔۔ اسے کونے میں جھینپ کر بیٹھنے کی جلدی تھی نہ ضرورت۔۔۔ اس کے لیے وقت بدل چکا تھا۔۔۔ وہ پھولوں کو تھامے' گردن اٹھائے' مسکراہٹ سجائے۔۔۔ خوب صورت لگ سکتی تھی۔۔۔ خوش ہو سکتی تھی۔

وہ خوب صورت لگ رہی تھی۔۔۔ خوش تو وہ بلاشبہ بہت تھی۔۔۔

مشک بار پری آ چکی تھی اور مشک بید برسا رہی تھی۔۔۔ شاید وہ تھوڑی سی اور مہربان ہو گئی ہو اور اس نے دلہن کی طرح ہی خوب صورت لگنے والی امرحہ پر بھی کچھ مشک بید برسائے ہوں۔

اگر اس نے یہ کام نہیں کیا تھا تو یہ کام عالیان کر رہا تھا۔۔۔ اس کی بھوری آنکھیں سنہری ہوتی جا رہی تھیں۔۔۔ امرحہ اس سے ذرا فاصلے پر سامنے کھڑی تھی۔ امرحہ کو نہیں معلوم تھا کہ وہ دولہا کے پیچھے کہیں کھڑا ہے' نہ ہی اس نے معلوم کرنا چاہا اور عالیان کو یہ معلوم نہیں تھا کہ اس کے علاوہ بھی کوئی ہال میں موجود ہے۔۔۔

"دولہا۔۔۔ دلہن۔۔۔ اچھا۔۔۔ اور دوسرے لوگ۔۔۔ کیا واقعی یہ ہال میں موجود ہیں۔۔۔ ایسا ہو گا۔۔۔ میرا نہیں خیال۔۔۔"

قدیم اور پرشکوہ چرچ نما کئی سو گلدستوں سے سجے وسیع ہال کے جگمگ کرتے فانوس کے عین نیچے بچھے سرخ قالین پر کھڑا گرانٹ پرنیاں کے سر کی طرف جھک رہا تھا۔ اس بار وہ "Gloxinia" کو اس کے نفاست سے گندھے سنہری موتی جڑے بالوں میں لگا رہا تھا پھر اس نے پرنیاں کے ہاتھوں کو تھام لیا اور دلہن کی طرف دیکھنے کا اشارہ کیا۔۔۔ "تم میرے لیے ہمیشہ اس پہلے دن کی دلہن کی طرح خوب صورت اور خاص ہو گی۔"

"اس بار تمہیں اس عہد نامے کو سب کے سامنے دہرانا ہو گا۔" پرنیاں نے ادا سے کہا۔

"میں عالیان کے ساتھ اس عہد نامے کو دہرانے کے لیے تیار ہوں۔"

"میں امرحہ کی طرح انتظار کرنے کے لیے تیار ہوں۔" پرنیاں نے بالوں میں لگے "Gloxinia" کو محبت سے چھو کر کہا۔۔۔ ساتھ ہی وہ مسکرائی۔۔۔ وہ مسکرا سکتی تھی اس کے ہاتھ گرانٹ نے تھام رکھے تھے۔

عالیان مسکرایا۔۔۔ وہ مسکرا سکتا تھا۔۔۔ اس کی آنکھوں نے سنہرے رنگ کو تھام رکھا تھا۔۔۔ گلابی پھولوں کے گل دستے میں مسکراہٹ اٹکی تھی۔۔۔ جھلمل کرتی موتی جڑی لہروں میں اس کا دل لک چھپ' گپ چھپ ہو رہا تھا۔ اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ وہ کیا کرے۔۔۔ بھاگ کر جائے اور وائلن کو اپنی ٹھوڑی تلے لے کر دھنا دھن کر ڈالے یا۔۔۔ چھت کے ساتھ جھولتے فانوس کے ساتھ جھول جائے اور اعلان کرتا پھرے۔۔۔ یا کئی سو پھولوں کے گل دستوں کو اپنی بانہوں میں بھر کر سنہری پوشاک کے قدموں تلے ڈھیر کر دے۔۔۔

اور یہ بھی کم تھا۔۔۔ یہ سب بھی کم تھا۔

سب کم ہی ہوتا ہے۔۔۔ سب کم ہی لگتا ہے۔

محبت اس عروج کا جذبہ ہے کہ سب ادائیگیاں تولہ ماشہ ہی لگتی ہیں۔

☼ ☼ ☼

یونیورسٹی پھر سے آباد ہو چکی تھی۔۔۔ سترہ جنوری سے امتحانات شروع تھے۔ سب دن رات پڑھنے میں مصروف ہو چکے تھے۔ اس کے سب دوست اس کے لیے کوئی نہ کوئی تحفہ لے کر آئے تھے۔ وہ خوش تھی کہ سب نے اسے یاد رکھا تھا لیکن وہ کسی کو بھی یہ بتا نہ سکی کہ اس نے سب کو کتنا یاد کیا تھا۔ ان کے جانے کے بعد اس کا کیا حال ہوا تھا۔

"میں واپس آ چکا ہوں۔"

"مجھے نظر آ رہا ہے۔۔۔" مورگن کی شادی کے بعد یہ ان کی پہلی ملاقات تھی۔

"تو چلیے پھر؟" وہ سویڈن کا پانی پی کر پہلے سے زیادہ خوب صورت ہو کر آیا تھا۔

"کہاں۔۔۔؟"

"ہوم کمنگ ڈرنک کے لیے۔" (گھر واپسی کی دعوت کے لیے)

جو جا چکے تھے انہوں نے جو مانچسٹر میں رہ چکے تھے سے ہوم کمنگ (Coming) ڈرنک پی تھی۔ کھانے پینے کا اچھا انداز تھا۔

"میں کسی ایسی ڈرنک کو نہیں جانتی۔" وہ صاف مکر گئی جبکہ وہ ویرا ایلن اون کو پلا چکی تھی۔

"نہیں جانتیں تو میں بتا دیتا ہوں ٹونی ولسن کہتا ہے

"This is Manchester we do things differently here"

(یہ مانچسٹر ہے' ہمیں انفرادیت کا خبط ہے)

تو جب ہم گھر واپس آتے ہیں تو اسے بھی مختلف انداز سے ٹریٹ کرتے ہیں۔ تم مانچسٹر میں ہو' تمہیں یہ کرنا پڑے گا۔۔۔ صرف دو پونڈ کی کاک ٹیل۔۔۔ اور بس۔" وہ جان چھوڑنے کا ارادہ نہیں رکھتا تھا۔

وہ اسے دو پونڈ کی کاک ٹیل کے لیے قریبی کیفے میں لے آئی جہاں اور بھی بہت سے اسٹوڈنٹس دو پونڈ کی کاک ٹیل پی رہے تھے۔

"نئے سال کے لیے کیا کیا عہد و پیمان کیے ہیں تم نے؟"

"سستی نہ کرنا اور وقت پر نوٹس بنانا۔۔۔ دوسرے سمسٹرز میں 80٪ رزلٹ لانا۔" عزم سے کہہ کر وہ مسکرانے لگی۔

وہ ہنسنے لگا لیکن امرحہ نے تو کوئی لطیفہ نہیں سنایا تھا۔

"اب تم ہنسے کیوں۔۔۔؟"

"کیونکہ تحقیق کہتی ہے کہ ساٹھ فیصد سے زیادہ لوگ سال کے پہلے ہی ہفتے خود سے کیے عہد کو بھلا دیتے ہیں اور باقی کے چالیس فیصد سے زیادہ افراد یہ کام چھ ماہ کے اندر کر گزرتے ہیں۔"

"میں ان ساٹھ فیصد میں سے ہوں نہ ہی چالیس فیصد میں سے۔" اس نے عزم سے کہا۔

"مجھے فخر ہے تم پر۔" اس نے اسے چڑایا۔ دو پونڈ کی ڈرنک وہ آہستہ آہستہ پی رہا تھا کہ وہ ختم نہ ہو جائے۔

"تم دیکھ لینا میں شان دار کامیابی حاصل کروں

گی۔"

"میں ضرور دیکھنا چاہوں گا۔۔۔" سویڈن کا پانی اسے بری طرح سے راس آیا تھا۔

"تم مجھے چیلنج دے رہے ہو۔"

"میں تمہیں چیلنج دے رہا ہوں۔۔۔" ٹیبل پر مکا مار کر اس نے کہا۔

"اگر میں جیت گئی۔۔۔؟" امرحہ نے انگلی اٹھا کر کہا۔

"مشکل ہے۔"

"اگر میں جیت گئی بولو۔۔۔ پھر؟"

"ناممکن ہے۔" دونوں شانے ناں میں ہلائے۔

امرحہ نے غصے سے اس کی طرف دیکھا۔ "پاکستان میں ایسے موقعے پر کہا جاتا تھا 'تمہارے منہ میں خاک۔'" وہ یہ بڑبڑا کر رہ گئی۔

"تو جو تم کہوگی میں وہ کروں گا۔۔۔ وہ گلے میں پھندا ڈال کر چھت سے لٹک جانا ہی کیوں نہ ہو۔" اوہ اتنا نالائق سمجھتا تھا وہ امرحہ کو۔۔۔

"ٹھیک ہے پھر ڈیڑھ سال بعد ملتے ہیں۔۔۔ اسی میز پر تیار رہنا پھندا ڈالنے کے لیے۔"

"مطلب تم ڈیڑھ سال تک مجھ سے ملوگی نہیں۔۔۔ میں چیلنج واپس لیتا ہوں۔"

"اف! مطلب اس معاملے کو ہم ڈیڑھ سال بعد دیکھیں گے۔۔۔"

"ٹھیک ہے۔" وہ مسکرانے لگا۔ چڑانے والی مسکراہٹ۔

"یہ انگریز خود کو سمجھتے کیا ہیں۔۔۔ سمجھتے ہیں سب یہی کر سکتے ہیں۔ ہم کچھ کر ہی نہیں سکتے۔۔۔ سب کر سکتے ہیں ہم۔۔۔ خیر امرحہ دیکھ لے گی اس انگریز کو اب۔۔۔ امتحانات میں ایک ہفتہ تھا اور سب جنوری کے پہلے ہفتے ہی واپس آ چکے تھے اور جنوری کی برف باری میں ایران کا محسن رسولی اور مصر کا موسیٰ فٹ بال کھیلنا چاہتے تھے۔ امتحان تو پھر آجائیں گے بلکہ سال میں دوبار۔۔۔ لیکن ایسی غضب کی سو سالہ ریکارڈ توڑتی برف باری شاید پھر نہ آئے۔ ایرانی اور مصری یقیناً

سوتے میں بھی خود کو فٹ بال کھیلتے پاتے ہوں گے اور اپنی زندگی کے خاص دن "شادی" پر بھی فٹ بال کھیلنے کے بلاوے کو رد نہیں کر سکتے ہوں گے۔

محسن رسولی نے دو ٹیمیں جمع کر لی تھیں میچ کے لیے برف سے اٹے گراؤنڈ میں رات کو میچ تھا۔۔۔ برف کا ڈھیر اور اس پر فٹ بال میچ۔۔۔ واہ۔۔۔

"تم بھی میرے ساتھ کھیلوگی؟" ویرا نے کہا۔

امرحہ ہنستے ہنستے بے حال ہو گئی۔

"کیا مصیبت آ گئی ہے تمہاری جان پر؟" ویرا نے گھونسا مارا اس کی کمر پر۔

"میں نے کبھی موبائل پر فٹ بال گیم نہیں کھیلی۔ تم مجھے برف پر خونخوار کھلاڑیوں کے ساتھ کھیلنے کو کہہ رہی ہو۔۔۔ یعنی میری موت برف پر واقع ہونی ہے۔"

"کون سا کھیل کھیلتی ہو تم؟" ویرا ایک اور گھونسا مارنے کے لیے تیار ہوئی۔

"لڈو۔۔۔ دادا کے ساتھ۔۔۔ ہاہاہا' کبھی کبھی کرکٹ وہ بھی اگر کوئی بچہ گیند کروائے آہستہ سے تو میں بلا چلا لیتی ہوں۔۔۔ ٹینس بال سے 'ہارڈ بال سے بالکل نہیں۔"

"تو تم لڑکیاں فارغ وقت میں کرتی کیا ہو پاکستان میں' سائیکل تم نہیں چلاتیں' دوڑ لگانے کے لیے تمہیں کہا تو تم نے انکار کر دیا تھا۔۔۔ کوئی گیم بھی نہیں آتی تمہیں۔۔۔ کھانے کے علاوہ کچھ کرنا آتا ہے؟"

"ہاں نا۔۔۔ چغلیاں کرنا اور بات بات پر لڑنا۔" امرحہ نے اردو میں کہا اور ہنسنے لگی۔

تو امتحان چھ دن بعد شروع تھے اور وہ میچ کھیلنے کی تیاری کر رہے تھے۔ لڑکیوں میں ایک ویرا تھی اور ایک لاء ڈیپارٹمنٹ کی وکٹوریہ۔۔۔ وکٹوریہ کارل کی ٹیم میں تھی اور ویرا محسن رسولی کی ٹیم میں۔۔۔ جس طرح کی بمبار کھلاڑی ویرا تھی' اسے دونوں ٹیمیں شامل کرنے کے لیے تیار تھیں لیکن ویرا نے چالاکی کی' اس نے محسن رسولی کی ٹیم میں شمولیت کی۔۔۔ محسن رسولی یونیورسٹی میں اپنے فٹ بال کے لیے ہی تو مشہور تھا اس کے امکانات روشن تھے میچ جیتنے کے۔۔۔ اور وہی

ہوا' محسن رسولی کی ٹیم میچ جیت گئی۔۔۔ تین دو سے۔۔۔ سو دو سو کے قریب اسٹوڈنٹس آئے تھے میچ دیکھنے' دستانے پہنے' مفلر لپیٹے' کافی پیتے' منہ سے بھاپ اڑاتے۔۔۔ ہر گول پر گراؤنڈ کو سر پر اٹھا لینے والے۔۔۔ امرحہ کو بھی پڑھنا تھا لیکن وہ ویرا کے لیے آ گئی تھی۔ اور اچھا ہی کیا آ گئی ورنہ برف کے ڈھیر پر فٹ بال کے ساتھ بمباری کرتی ویرا کو کیسے دیکھتی۔ امرحہ کا حلق بیٹھ گیا تھا چلا چلا کر۔۔۔ اس نے کس قدر حسرت سے ویرا کو دیکھا' وہ برف کے ڈھیر پر فٹ بال کے ساتھ ایسے بھاگ رہی تھی جیسے لاؤنج میں کارپٹ پر بھاگ رہی ہو' ۔۔۔ اس کے چہرے پر ایسے تاثرات تھے کہ وہ برف میں خود کو دفن کر لے گی ہارے گی نہیں۔۔۔ کارل نے پہلا گول کیا تھا اور ویرا نے اسے ایسے دیکھا تھا جیسے اس کی گردن دبوچ لے گی۔۔۔ اور اس نے گردن دبوچ لی تھی' اس نے یکے بعد دیگرے دو گول کیے تھے۔۔۔ مخالف ٹیم کی کمر توڑ ڈالی تھی۔۔۔ وہ پریشر میں آئے اور بمشکل مزید ایک گول کر کے ہار گئے۔

"ویرا۔۔۔ ویرا!" اسٹوڈنٹس نے گراؤنڈ سر پر اٹھا لیا۔ ویرا نے ڈیوڈ بیکھم کی بے نیازی اور میسی کی چھپی رستمی لیے اسٹوڈنٹس کو دیکھا' ہاتھ لہرایا۔۔۔ اور اپنی دائیں آنکھ کے کنارے کو رگڑ کر کارل کو دیکھ کر آنکھ ماری۔۔۔ کارل کو تو آگ ہی لگ گئی۔۔۔ اس کی شکل دیکھنے لائق تھی۔۔۔ ٹیم غصے میں آ کر بھڑک چکی تھی اور شاید ویرا یہی چاہتی تھی۔ وہ بھڑک بھڑک کر برف پر گرتے جاتے تھے۔ محسن رسولی کی ٹیم فٹ بال لیے اڑی جاتی تھی۔۔۔ ویرا برف کی پیداوار تھی اسے برف پر ہرانا مشکل تھا۔۔۔ یہ اس کی بے عزتی ہوتی۔۔۔ اور اس نے روس کی برف کی عزت رکھ لی۔۔۔ وہ لوگ میچ جیت گئے۔

امرحہ کو بڑی خوشی ہوئی' ویرا کے جیتنے کی نہیں کارل کے ہارنے کی۔۔۔ وہ سب لوگ گراؤنڈ کے گرد گھیرا بنائے کھڑے دونوں ٹیموں کے میچ دیکھ رہے تھے۔ میچ ختم ہوا تو سب کو پھر سے پڑھائی یاد آ گئی اور سب جلدی جلدی کھسکنے لگے۔ اب امرحہ نیٹ کے پاس کھڑی منہ کھولے ہنس رہی تھی۔ اس کا جی چاہ رہا تھا' ویرا کو کندھوں پر اٹھا لے۔۔۔ ورنہ کارل کو ہی اٹھا کر پھینک دے۔۔۔ اور نہیں تو پیٹ پکڑ کر برف پر لوٹ پوٹ ہوتے ہنسے۔۔۔ کچھ میچ اس نے دادا کو بھی دکھایا تھا اور وہ بھی ویرا ویرا چلا کر لاہور میں بیٹھے ویرا کا حوصلہ بڑھا رہے تھے۔

"تمہیں بڑی ہنسی آ رہی ہے۔" وہ دونوں ہاتھ سینے پر باندھ کر اس کے سامنے آ کر کھڑا ہو گیا' کافی سنجیدہ لگ رہا تھا جیسے ہار کے بعد لوگ لگا کرتے ہیں۔

"ہاں آ رہی ہے۔۔۔" امرحہ نے منہ کھول کر ایک اور قہقہہ لگایا۔۔۔ برا کیا۔۔۔

آنکھوں کو چندھیا کر کارل نے اسے تاڑا۔۔۔ جیسے کہا "اچھا ہم۔۔۔ تم ٹھیک ہے پھر۔"

وہ چند قدم آگے چلا' اس کے ہاتھ میں فٹ بال تھا اور پھر وہ ایک دم سے پلٹا۔ امرحہ ویرا کی طرف جانے ہی لگی تھی۔ اس کا دھیان کارل کی طرف نہیں تھا' کارل نے پلٹ کر پوری قوت سے اس کے سر پر فٹ بال کی کک لگائی۔۔۔ امرحہ توازن قائم نہ رکھ سکی اور گر گئی۔۔۔ جیسے ہی وہ گری' کارل نے تیزی سے اس کے سر پر جمی سرخ اونی ٹوپی کو کھینچ کر اس کی ناک تک گھسیٹ دیا۔۔۔ جی ناک تک۔۔۔

"یہ کیا بدتمیزی ہے؟" امرحہ چلائی۔۔۔ یہ بھی برا کیا امرحہ نے۔ کارل نے مٹھی بھر برف اس کے چلاتے منہ میں ٹھونس دی۔۔۔ امرحہ نے ہاتھ سے برف منہ سے نکالی۔ کارل نے تیزی سے اپنے گلے میں سے اونی مفلر کو نکال کر اس کی گرہ بنا کر اس کے دونوں ہاتھوں میں ڈالی اور گرہ کس دی۔۔۔ وہ جو اٹھنے کی کوشش کر رہی تھی اور لڑھک گئی۔

"یہ کیا؟ ٹوپی ناک تک۔۔۔ برف منہ میں۔۔۔ ہاتھ بندھے ہوئے۔۔۔ چچ چچ' اب کارل نے کسی مشین کی طرح اس پر برف اچھالنی شروع کر دی۔۔۔ امرحہ منہ سے بمشکل برف اگل سکی۔ اس کے دانت ٹھنڈ سے ٹوٹ جانے کے قریب تھے اور کارل منحوس اسے برف کے ڈھیر میں دفن کر رہا تھا۔۔۔ وہ کھلے عام منہ کھول کر

ہنس رہی تھی۔ اب ظاہر ہے ہارے ہوئے لوگوں کو ایسی ہنسی بری بھی لگ سکتی ہے۔

"ویرا!" امرحہ بمشکل چلائی۔۔۔ ویرا ذرا دور محسن رسولی کے ساتھ میچ کی صورت حال پر غور کر رہی تھی، امرحہ کی طرف اس کی پشت تھی۔ کارل کسی کرین کی طرح اس پر برف اچھالتا ہی جا رہا تھا اور اس نے امرحہ کو برف کے ڈھیر میں دفنا دیا۔۔۔ دیکھتے ہی دیکھتے امرحہ برف میں۔۔۔ یہ دن بھی دیکھنا تھا امرحہ نے۔۔۔

"ویرا!" اس کی آنکھوں پر ٹوپی تھی۔ اسے نظر ہی نہیں آ رہا تھا کہ ویرا کہاں ہے۔ برف کا ایک ڈھیر اس کے منہ پر آ کر گرا کہ لو اور چلاؤ۔۔۔ کاش دادی کا کہا سچ ہوتا، وہ واقعی منحوس ہوتی اور کارل کے ہاتھ ٹوٹ جاتے اس کے ساتھ یہ سب کرتے۔

"کارل!" ویرا کی دھاڑ سنائی دی۔۔۔ اس نے بڑھ کر امرحہ کے سر پر سے ٹوپی اٹھائی اور امرحہ نے دیکھا کہ ویرا نے ایک بے حد ناکام کوشش کی اپنی ہنسی کے فوارے کو روکنے کی۔

وہ گردن تک برف میں دھنس چکی تھی، ناک سرخ ہو چکی تھی۔۔۔ ہونٹ نیلے اور غصے سے وہ نیلی، پیلی، لال سب ہو رہی تھی۔

جیسے ہی ویرا نے ٹوپی اٹھائی۔ کارل اور ویرا دونوں کے منہ سے ہنسی کے فوارے نکلے۔

"دادا! آپ ٹھیک کہتے ہیں، مجھے امرحہ نہیں ویرا ہونا چاہیے۔" امرحہ نے دل میں سوچا جب ویرا اسے برف سے نکال کر کھڑا کر چکی تو کارل نے امرحہ کی طرف اشارہ کیا۔

"میچ ہو جائے۔۔۔ تم اور میں۔" کیا بات کی تھی کارل نے۔ وہ بھی امرحہ سے۔۔۔

"اسے فٹ بال نہیں آتا۔۔۔ مجھ سے بات کرو۔"

"تم پرے رہو۔۔۔ Ginger Ball ——— مجھے اس The Lost Duck سے بات کرنے دو۔"

"The Lost Duck" وہ چپ کارل کی شکل دیکھنے لگی، غصے میں اتنا لال پیلا ہونے کے باوجود وہ اس کے خلاف کچھ نہ کر سکی۔۔۔ چچ چچ۔۔۔ افسوس۔۔۔

"بیس پچیس فٹ کے فاصلے سے ہم ایک دوسرے کے سر پر فٹ بال کی کک لگائیں گے۔ وقت دس منٹ بولو پلوٹو سر پر لگا بال ایک گول ہو گا۔"

"پلوٹو۔۔۔ ایک اور نام۔" پلوٹو خاموش کھڑا اندازہ لگا رہا تھا کہ کیا وہ یہ کر سکتی ہے، نہیں وہ یہ بھی نہیں کر سکتی تھی۔۔۔ اندازہ لگایا جا چکا تھا۔۔۔

"چلو اسے اور آسان کر لیتے ہیں۔۔۔ فاصلہ پندرہ فٹ۔۔۔ وقت دس منٹ۔۔۔"

"نہیں۔" امرحہ نے انکار کر کے جان چھڑائی۔

"فاصلہ دس فٹ۔۔۔" وہ آج ہر صورت اس کے سر پر کک لگانا چاہتا تھا۔

"نہیں۔" امرحہ نے ایسے کہا جیسے شاہ ایران اسے اپنا تخت پیش کرتے ہوں کہ آج سے آپ اسے سنبھالیں اور وہ کہتی ہو "نہیں بھئی۔۔۔ بس نہیں کہہ دیا نا۔۔۔ بس نہیں۔"

"نہیں۔" کارل نے واضح دانت پر دانت جمائے اور غصے کو چھپا کر اس کی طرف دیکھا کہ وہ یہ بھی نہیں کر سکتی جو پانچ سال کے بچے بھی کر کے جیت سکتے ہیں۔ کارل کو بس موقع چاہیے تھا اس کا سر پھوڑنے کا، اسے برف کی مار مارنے کا۔۔۔

"چلو دس قدم۔۔۔ ہارنے والے کو برف میں گردن تک صبح تک دھنسے رہنا ہو گا۔ Ginger Ball نے امرحہ کو آنکھ ماری کہ کھیل لو۔۔۔ پر پاگل تھی کیا وہ؟ ابھی شیر کے منہ میں ہاتھ ڈالنے کی حیثیت نہیں ہوئی تھی اس کی۔۔۔

"امرحہ کے لیے میں کھیلتی ہوں۔" ویرا نے ہاتھ اٹھایا۔

"تمہارے لیے کھیل بدل جائے گا۔۔۔ بیس فٹ کا فاصلہ رکھ کر بھاگتے ہوئے ہاتھ سے ہمیں سر پر بال مارنی ہو گی۔۔۔ وقت دس منٹ۔۔۔"

"ٹھیک ہے!" شاہ ایران کا تخت ویرا نے قبول کیا۔ اسٹاپ واچ امرحہ کو دے کر ان کا کھیل شروع ہو گیا۔

بیس فٹ کا فاصلہ رکھ کر فٹ بال کو درمیان میں رکھ دیا گیا۔ فٹ بال پر پہلے کارل جھپٹا، ویرا بھاگی لیکن کارل نے پھرتی سے اس کے سر پر بال دے ماری۔۔۔ بال ویرا کے ہاتھ آ گئی۔۔۔ اس نے کارل کا نشانہ لیا لیکن کارل جُل دے گیا۔۔۔ بال کارل کے ہاتھ آ گئی، ویرا کو بال کو اپنے سر پر لگنے سے بچانا بھی تھا اور بال کو اپنے قابو میں بھی کرنا تھا۔ برف پر پھسلتے گرتے، بال پر جھپٹتے مقابلہ نویں منٹ میں پانچ چار تھا۔ کارل پانچ۔۔۔ ویرا چار۔۔۔ دسویں منٹ میں کارل نے ویرا کے سر پر ایک اور گول کر دیا۔۔۔ ویرا بری طرح سے برف پر گری۔

"آخری منٹ!" امرحہ چلائی۔ وہ بھاگنے کی تیاری کر رہی تھی۔ آخری منٹ میں ویرا زیادہ سے زیادہ ایک ہی گول کر سکتی تھی نا۔۔۔ گراؤنڈ میں چند ایک اسٹوڈنٹس ہی موجود تھے جو ویرا اور کارل کی مستیاں دیکھ رہے تھے۔ ان کا خیال تھا، وہ مذاق میں کوئی کھیل کھیل رہے ہیں۔

"آخری پندرہ سیکنڈز۔" امرحہ پھر زور سے چلائی، وہ بھاگتے بھاگتے ویرا کے قریب جا چکی تھی۔۔۔ کارل ان سے دور تھا۔۔۔ بال ویرا کے ہاتھ میں تھی۔۔۔ اس نے کارل کے سر پر دے ماری لیکن کارل پھر بچ گیا۔۔۔ اور وہ بال پر جھپٹا۔۔۔ وہ پھرتی سے جھک کر بال اٹھا ہی رہا تھا کہ ویرا پھولے ہوئے سانس کے ساتھ چلائی۔

"امرحہ۔۔۔ بھاگ۔" کہتے وہ خود بھی برفانی چیتے کی طرح گیٹ کی طرف بھاگی۔۔۔ امرحہ بھاگنے کی تیاری تو کر رہی تھی پر ویرا کے کہتے ہی اس کے ہاتھ پیر پھول گئے۔

"بھاگ امرحہ!" ویرا پھر چلائی۔ کارل ان کے پیچھے جنگلی تیندوے کی طرح لپکا۔

امرحہ نے اپنی لاہور میں کھائی خوراکیں زندہ کیں اور پورا زور لگا کر بھاگی۔۔۔ ویرا نے لپک کر اس کا ہاتھ پکڑا اور اسے اپنی رفتار کے ساتھ بھگانے لگی۔۔۔ لیکن کہاں ویرا، کہاں امرحہ۔۔۔ امرحہ برفانی چیتا تھوڑی ہی تھی۔ جتنی مرضی صحت بخش غذائیں کھائی ہوں۔۔۔ ان کا استعمال تو کبھی نہیں کیا گیا تھا نا۔۔۔ بھاگی تو کبھی نہیں تھی۔۔۔ ضرورت ہی نہیں پڑی تھی۔۔۔ ایسے برف ملی تھی نہ کارل نامی بلا۔۔۔ جو ان کے پیچھے بھاگ رہی تھی۔

ویرا کے ساتھ بھاگتے امرحہ منہ کے بل گرتے گرتے کئی بار بچی۔۔۔ امرحہ گر جاتی۔ کارل (موت) اسے پیچھے سے آ لیتی تو بہت ہی برا ہوتا۔۔۔

کارل کہیں پیچھے برف پر پھسل کر گر گیا تھا ورنہ وہ ان سے دس قدم پیچھے نہ ہوتا۔۔۔ ویرا اپنی سائیکل پر جھپٹی اور اسے چلایا۔۔۔ امرحہ چلتی سائیکل پر بیٹھی۔۔۔ ویرا نے ہی اسے چلتی سائیکل پر بیٹھنا اور اترنا سکھایا تھا اس کا ماننا تھا۔ ایمرجنسی میں ایسی چھوٹی چھوٹی باتیں کام آتی ہیں۔

ایمرجنسی "کارل" میں یہ بات کافی کام آ رہی تھی۔

ویرا نے اپنی رولر کوسٹر کو دنیا کی تیز رفتار ترین جاپانی ٹرین بنا ڈالا جو چلتی ہے تو لگتا ہے اڑ رہی ہے۔۔۔ رولر کوسٹر بھی اڑ رہی تھی۔

"ویرا!" کارل کی آواز ان کے پیچھے آئی۔ پھولے سانس کے ساتھ وہ چلایا۔

"کون ویرا؟" ویرا چلائی اور یہ جا وہ جا۔

جب وہ کارل کی پہنچ سے دور ہو گئی تو رولر کوسٹر کی رفتار آہستہ کی گئی۔۔۔ ہنس ہنس کر ان کا برا حال تھا۔ برف سے ڈھکے چھپے مانچسٹر میں ان کی ہنسی کے قمقمے جل بجھ رہے تھے۔ امرحہ شاید ہی اپنی زندگی میں کبھی اتنا ہنسی ہو گی۔۔۔ اس کا پیٹ پھٹنے کے قریب تھا۔

"تم ہار کیسے گئیں؟" امرحہ نے اس کی کمر میں چٹکی بھری، یعنی میرے لیے کھیلتے ہی ہار گئیں یو "Ginger Ball"

"کبھی انسان ہار بھی تو جاتا ہے، ہے نا۔۔۔ ویسے اگر میں جیت جاتی تو کارل نے بھاگ جانا تھا۔۔۔ ہم اس جن کو برف میں دھنسا سکتے تھے بھلا۔۔۔؟"

"میری دادی کا ماننا ہے میں منحوس ہوں۔۔۔ میری وجہ سے سارے کام خراب ہو جاتے ہیں۔۔۔ آگ

لگ جاتی ہے۔۔۔ تباہی ' بربادی ' ایسا سب ہو جاتا ہے۔"

"اچھا؟ تم تو بڑے کام کی ہو پھر۔۔۔ تم وائٹ ہاؤس کے سامنے ایک گھر کیوں نہیں لے لیتیں۔۔۔ روس کے تھوڑے حساب کتاب باقی ہیں امریکہ کے ساتھ ' ۔۔۔ تم وہ حساب کتاب کیوں برابر نہیں کروا دیتیں ہمارے۔۔۔؟ اگر تم واقعی ویسی ہی ہو تو سچ تم ہمارے بہت کام کی ہو۔۔۔ ہمارا حساب چکا چکو تو روس آنا۔۔۔ گارڈ آف آنر دیا جائے گا تمہیں۔۔۔"

"گارڈ آف آنر!" امرحہ ہنستے ہنستے بے حال ہو گئی۔ اس کی نحوست کو گارڈ آف آنر۔۔۔ کمال ہو گیا۔

"یہ میری زندگی کا بہترین وقت ہے ویرا۔۔۔ تم ہو ' میں ہوں ' برف ہے ' مانچسٹر ہے اور تمہاری سائیکل ہے۔۔۔ میرے لیے اتنے خزانے تھے زندگی کے پاس۔"

"سب سے بڑا خزانہ کارل۔۔۔ ہاہاہا!" ہنستے ہنستے ویرا سائیکل گرا بیٹھی دونوں سڑک پر گر گئیں۔۔۔ انہیں ہلکی سی چوٹ بھی آئی لیکن اس چوٹ کی پرواہ کسے تھی ' وہ دونوں تو سڑک پر گری سائیکل کے پاس ہنسنے میں مصروف تھیں۔

"اس کا نام لیتے ہی ہم گر گئے اف ' اصل میں منحوس تو کارل ہے۔"

امرحہ کو بڑی خوشی ہوئی کارل کو منحوس ثابت کر کے۔ اس نے جیسے اپنے منحوس ہونے کا بدلہ کارل سے لے لیا اور ساری روشن خیالی کے باوجود وہ دادی کی طرح پورا زور لگا کر کارل کو "منحوس" ثابت کرنے کے لیے تیار تھی۔ بلکہ اس کام کے لیے پارٹ ٹائم کرنے کے لیے بھی تیار تھی۔۔۔ ساری یونیورسٹی امرحہ کے خاندان کی طرح جب اسے منحوس منحوس کہا کرے گی تو امرحہ کے اندر ٹھنڈک ہی ٹھنڈک پھیل جائے گی۔ ۔۔۔ آہ۔۔۔ کاش یہ دن دیکھنا امرحہ کے نصیب میں ہو۔ ۔۔۔ کاش یہ دن جلد ہی آجائے۔۔۔ بلکہ آنے ہی والا ہو۔

"کارل دی منحوس مارا۔"

☆ ☆ ☆

میں ہڑبڑا کر اٹھا۔ آج تو میرا پہلا پیپر ہے۔۔۔ گھڑی اور کھڑکی دونوں کی طرف دیکھا اوہ گوش شام کے پانچ بج گئے۔۔۔ خدایا۔۔۔ میرا تو پہلا پیپر تھا۔۔۔ میں تو رات بھر پڑھتا رہا تھا۔۔۔ پھر کیا ہوا۔۔۔ پھر کیا ہوا آخر۔۔۔ یعنی میرا پیپر گیا۔۔۔ یعنی اب یونیورسٹی کا ڈین بھی مجھے فیل ہونے سے نہیں بچا سکے گا۔ میں اتنا وقت سوتا کیسے رہ گیا؟

کیا میں ساری رات پارٹی کرتا رہا۔ سارا دن سوتا رہا ' ۔۔۔ نہیں میں تو علی کا منز میں تھا۔۔۔ نہیں شاید میں تو لائبریری میں تھا۔۔۔ اوہ گوش میں کہاں تھا۔۔۔ آخر کوئی مجھے بتائے گا کہ میں کہاں تھا۔

میں نچلے فلور پر واقع شاہ ویز کے کمرے کی طرف بھاگا۔ اس کا دروازہ دھڑ دھڑایا۔

"شاہ ویز! میں کل رات کہاں تھا ' بڑی جلدی بتا۔۔۔"

اف شاہ ویز بھی سو رہا تھا۔۔۔ میری طرح اس کا امتحان بھی گیا۔۔۔ وہ بھی فیل۔۔۔

"مجھے کیا پتا تم کل رات کہاں تھے۔۔۔ سونے دو مجھے۔" شاہ ویز اندر سے ہی چلایا۔

"تمہارا ابھی پیپر گیا یا دے کر آئے ہو؟" میں اس کے کمرے کے بند دروازے کے پار چلایا۔

"پیپر۔۔۔ وہ تو صبح ہے۔۔۔ اب دفعان ہو جاؤ۔"

"صبح تو گزر گئی۔۔۔ شام کے پانچ بج رہے ہیں۔"

"تم ٹھنڈے پانی میں ڈبکیاں کیوں نہیں لگاتے ' صبح کے پانچ بجے ہیں شام کے نہیں۔"

"اوہ اچھا۔۔۔ سچ میں۔۔۔ آہ گوش میری تو جان ہی نکل گئی تھی۔"

یہ کیرل تھا ' ایگزامز کے بے جا دباؤ کا شکار بے چارہ اسٹوڈنٹ۔۔۔ یعنی مانچسٹر یونیورسٹی میں اس دیو کا نزول ہو چکا تھا جسے "ایگزامز" کے نام سے یاد کیا جانا بھی پسند نہیں کیا جاتا۔۔۔ تو ایگزامز کے دنوں کی ایک کیرل ہی ایسی کاپی نہیں ہے اور بھی مختلف کاپیاں ہیں۔

"میں نے آپ کو کہیں دیکھا ہے؟" اپنے فیشن اور ملبوسات کے لیے مشہور لنڈا۔

"تم چار یا پانچ مہینے پہلے لائبریری آئی ہو گی۔"

"ہاں آئی تو تھی۔۔۔ ایک میگزین چاہیے تھا۔۔۔ پر آپ کو کیسے معلوم ہوا؟"

"سارا سمسٹر چھوڑ کر صرف امتحانات کے دنوں میں لائبریری آنے والے مجھ سے یہی کہتے ہیں "آپ کو کہیں دیکھا ہے۔" دوسرے سمسٹر کے امتحانات میں آ کر بھی تم یہی کہو گی۔۔۔ میں تھک جاتا ہوں بار بار اس سوال کا جواب دے دے کر ' اس لیے ابھی سے بتا رہا ہوں میں لائبریرین ہوں اور میں لائبریری میں دیکھا اور پایا جاتا ہوں۔"

آنکھ ' کان ' زبان ' دماغ ' خاص کر بالوں میں سے طوطے کیسے اڑتے ہیں کبھی دیکھا ہے۔

"نہیں۔۔۔ مانچسٹر یونیورسٹی کے اسٹوڈنٹس سے امتحانات کے دنوں میں ملیں۔۔۔

"آئی لو یونی میوزیم۔" ایما۔۔۔ عام دن۔۔۔

"میوزیم۔۔۔ یونی میں میوزیم ہے؟" ایما۔۔۔ امتحانات کے دن۔۔۔

"اوہ۔۔۔ شیکسپیئر کو کیا ضرورت تھی اتنا کچھ لکھنے کی ۔۔۔ ایک آدھ ڈرامہ کافی نہیں تھا۔" جوناتھن 40٪ بمشکل لینے والوں میں سے۔۔۔

"کون شیکسپیئر؟" ڈینئل مانچسٹر کے ہر کلب اور بار کے بارے میں جاننے والوں اور 40٪ کے خواب دیکھنے والوں میں سے۔۔۔

"میرے چچا۔۔۔" جوناتھن غصے میں۔

"تمہارے چچا ڈرامے لکھتے ہیں۔۔۔؟ کس تھیٹر میں لگتے ہیں ان کے ڈرامے۔۔۔ دو ٹکٹیں مل جائیں گی؟"

ایک اور۔۔۔

"تم ڈبہ کیوں کھا رہے ہو؟" اوک ہاؤس ہال میٹ

"میں تو پزا کھا رہا ہوں۔" بے حد لائق فائق لمبا سا پتلا سا اسٹوڈنٹ کرس۔۔۔

"تم پزا۔۔۔ ڈبے سمیت کیوں کھا رہے ہو؟"

"نہیں! میں تو صرف پزا کھا رہا ہوں۔۔۔ یہ دیکھو ۔۔۔ اوہ۔۔۔ میری پلیٹ میں یہ ڈبہ کہاں سے آگیا۔۔۔؟" گول گول چشمہ ملفوف آنکھیں باہر کو۔۔۔

"تمہارے منہ میں بھی ڈبے کا کچھ حصہ ہے۔۔۔ اور خدا کے لیے کرس اس کھڑکی کو بند کر لو تم اوک ہاؤس کے وہ واحد اسٹوڈنٹ ہو گے جو اتنی ٹھنڈ میں کھڑکی کھول کر پڑھ رہا ہے۔"

"کھڑکی۔۔۔ اوہ۔۔۔ تو یہ کھڑکی ہے۔۔۔ میں بھی سوچ رہا تھا ' میرے سارے کپڑے کہاں گئے۔۔۔ اور میرے جوتے بھی۔"

لائبریری کی طرف جاتے ہوئے۔

"ہائے۔۔۔ جینا کیسی ہو؟" مائیکل کیمسٹری اسٹوڈنٹ

"میں ماریا ہوں۔۔۔" بائیو اسٹوڈنٹ۔

"جینا ماریہ نا۔۔۔؟" ہار نہ مانتے ہوئے ' سر کھجاتے ہوئے۔۔۔

"ماریہ ایڈم!" دونوں ہونٹوں کو بگاڑتے ہوئے۔۔۔

"ہاں ' ہاں وہی جو مک لارین P.13 (بیش قیمت کار) میں آئی ہے۔۔۔"

"میری تیسری نسل میں سے شاید کوئی مک لارین خرید کر اسے ہاتھ لگا سکے ' میں ایسی جرات فی الحال نہیں کر سکی ' میری حیثیت فری بس سے آنے والی ہے ۔۔۔ اور تم؟"

"میں۔۔۔؟" سر کھجاتے ہوئے ہی۔

"ہاں تم۔۔۔"

"مطلب۔۔۔ میں کہاں جا رہا ہوں۔۔۔ میں پڑھنے لائبریری جا رہا ہوں سارہ۔۔۔"

"ماریہ۔۔۔ مطلب تم کون ہو۔۔۔ کیا نام ہے تمہارا؟" سر کھجانے کی باری اب ماریہ نے اپنے ہاتھ میں لے لی ہے۔

"میں اچھا بائے۔۔۔ میں لیٹ ہو رہا ہوں سوزین۔" چلا جاتا ہے۔

"میں کون ہوں۔۔۔ کیا نام ہے میرا؟" جاتے ہوئے۔

"تمہیں تو لائبریری جانا تھا نا؟" ماریہ پیچھے سے

چلاتی ہے۔

"تم یونیورسٹی سے باہر کی سمت جارہے ہو۔۔۔۔"

"تو تعلیمی دور میں کم سے کم دس بار ہم یہ ضرور سوچتے پائے جاتے ہیں کہ امتحانات میں فیل ہونا اتنا آسان اور پاس ہونا اتنا مشکل کیوں ہے؟ اسی فیصد پرچے اسی ایک لیکچر باب سوال پر کیوں مشتمل ہوتے ہیں جو آپ مس کر چکے ہوتے ہیں۔۔۔؟"

"فیل ہونے کی بڑی وجہ کیا ہے؟"

"میرا خیال ہے یہ امتحانات ہیں۔۔۔ آپ کا کیا خیال ہے؟"

"Night before enams is like a night before christmas, you can't sleep and yet hope for a miracle"

اسٹوڈنٹس اپنے تعلیمی دور میں معجزات پر بہت یقین رکھتے ہیں اور ان کے رونما ہونے کی بھی دعائیں کرتے ہیں۔۔۔ دوسرا اور تیسرا باب پڑھنے کے بعد وہ یہ دعا کرتے سو جاتے ہیں کہ چوتھے پانچویں اور چھٹے باب میں سے کوئی سوال نہ آئے۔۔۔ اور سارا پرچہ دوسرے اور تیسرے باب پر مبنی ہو۔۔۔ چلو فرض کیا اگر چھٹے باب سے کچھ آ ہی گیا تو اسی فیصد دوسرے اور تیسرے ابواب سے جو آئے گا وہ پاس کروا دے گا۔۔۔ چلو پچاس فیصد ہی سہی۔۔۔ چلو چالیس ہی سہی اچھا چلو تیس ہی سہی۔۔۔ بس بہت ہے معجزاتی دعائیں۔۔۔ معجزاتی توقعات۔۔۔

امتحانات کے دوران سب سے زیادہ اسٹوڈنٹس خوش فہم ہوتے ہیں۔ امتحانات کے بعد سب سے زیادہ دنیا بھر میں دعائیں اسٹوڈنٹس کرتے ہیں۔

سب سے زیادہ خون امتحان نامی بلا چوستی ہے اور کودتی پھاندتی حقیقی موت رزلٹ کے دن سب سے زیادہ دکھائی دیتی ہے۔

جی ہاں۔۔۔ سچ ہے یہ۔۔۔

امتحان گاہ کے آخری پانچ منٹ میں ہر اسٹوڈنٹ مافوق الفطرت طاقت کا مالک بن جاتا ہے۔۔۔ وہ ساری کتاب لکھ ڈالنا چاہتا ہے۔۔۔ لیکن وقت ہی نہیں ہوتا۔۔۔ اور ایک بڑی دردناک حقیقت یہ ہے کہ سب کچھ یاد بھی آخری منٹوں میں آتا ہے امتحانات ایک لمبی۔۔۔ آہ۔۔۔

"میں نے سارا سمسٹر ٹھیک سے کیوں نہ پڑھا؟"

ایک سوال محاسبہ اور پچھتاوا جو امتحانات کے ختم ہوتے ہی اپنی موت آپ مرجاتا ہے۔۔۔ ویسے اسے مر ہی جانا چاہیے ہمیشہ کے لیے۔۔۔ ایویں ذہن میں کلبلا کر احساس زیاں جگاتا ہے۔

"مجھے تھوڑی سی دیر کے لیے سو جانا چاہیے۔۔۔ میں پچھلے پچیس تیس منٹ سے پڑھ رہا ہوں۔۔۔ آخر نیند پر بھی میرا حق ہے۔" ایک خواہش جس پر فوری عمل کیا جاتا ہے۔

تو سب اسٹوڈنٹس اس سوال کا جواب جاننے سے قاصر ہیں کہ امتحانات میں اتنی نیند کہاں سے آجاتی ہے۔۔۔ بھوک اتنی کیوں لگنے لگتی ہے۔۔۔ ٹی وی فیس بک یوٹیوب ٹیوٹر پہلے سے زیادہ دلچسپ کیوں لگنے لگتے ہیں۔ کتابوں کی پہچان مشکل کیوں ہو جاتی ہے۔

ویسے امتحانات سے پہلے پوسٹ ایگزامز پارٹیز پلان کرلی گئی تھیں۔ جیسے کرسمس آنے سے پہلے کرسمس کے بعد دی اور لی جانے والی پارٹیز پلان کی گئی تھیں۔ کون کون آئے گا پارٹی کہاں ہوگی کیا کیا ہنگامہ برپا کرنا ہوگا۔۔۔ امتحانات کے ختم ہونے کی خوشی میں نہیں بلکہ امتحانات سے جان چھوٹ جانے کی خوشی میں۔۔۔ آس پاس کے سب ہی بارز کلبس ریسٹورنٹس اس انتظار میں تھے کہ جلدی سے امتحانات شروع ہو کر ختم ہوں اور بے چارے اسٹوڈنٹس کچھ پارٹی شارٹی مزے شزے کریں۔۔۔ بے چارے اسٹوڈنٹس۔۔۔

تو یونیورسٹی میں کچھ اس قدر پڑھنے والے اسٹوڈنٹس بھی تھے۔۔۔

"یہ بدبو کہاں سے آرہی ہے۔ شاید تم میں سے جم" ناک سکیڑتی جولی۔

"ہاں شاید۔۔۔ کئی دنوں سے میں ٹھیک سے منہ نہیں دھو سکا۔۔۔ کپڑے بھی۔۔۔ دانت برش کرنے کا تو بالکل وقت نہیں ملا۔۔۔ ایگزامز ہیں نا۔" پیلے دانت نکال کر مسکرا کر کہا جانے والا تاریخی جملہ۔۔۔ جی ہاں تاریخی ہی۔۔۔

"تمہاری شکل مارشل سے ملتی جلتی ہے۔"

"میں مارشل ہی ہوں۔۔۔ پڑھ پڑھ کر ایسا ہو گیا ہوں۔"

"اوہ shurrup (شٹ اپ کی جدید شکل) اس حالت میں گھر نہ چلے جانا۔۔۔ اپنی ڈی این اے رپورٹ بھی دکھائی تو بھی گھر والے گھر میں گھسنے نہیں دیں گے۔"

"آخر تم تیز تیز کیوں نہیں چل رہے۔۔۔ ہم یونیورسٹی سے لیٹ ہو رہے ہیں۔"

"مجھ پر بہت بوجھ ہے گراہم!"

"پر تمہارے ہاتھ تو خالی ہیں۔۔۔"

"میرے سر پر۔۔۔"

"تم نے تو آج ٹوپی بھی نہیں پہنی۔۔۔"

"میرے ذہن پر یار۔۔۔! پڑھائی کا بہت بوجھ ہے۔۔۔ میں نے کچھ غیر ضروری کتابیں بھی پڑھ ڈالیں۔"

"تمہیں یاد ہے نا تمہیں 100٪ میں سے مارکس لینے ہیں 1000٪ میں سے نہیں۔۔۔"

"ہاں پھر بھی۔۔۔ پھر بھی میں نے سوچا شاید۔۔۔ شاید۔"

یہ صرف کچھ جھلکیاں ہیں امتحانات کے دنوں کی۔۔۔ اور ظاہر ہے اسٹوڈنٹ دنیا کے کسی بھی خطے سے تعلق رکھتا ہو۔۔۔ کم و بیش ایک سی حالت سے گزرتا ہے۔۔۔ ایک جیسے احساسات کا مالک ہوتا ہے کیونکہ وہ بے چارہ اسٹوڈنٹ ہوتا ہے نا۔۔۔ بے چارہ۔

یونیورسٹی میں اسٹوڈنٹس کی ایک خاص تعداد Modafinil اسٹڈی ڈوز بھی لیتی ہے۔ جسے کھا کر اسٹوڈنٹس کے بقول وہ بنا تھکے اور بنا سوئے کئی گھنٹے آرام سے پڑھ سکتے ہیں۔۔۔ بہت سے اسٹوڈنٹس وٹامن ٹونگ بھی لیتے ہیں۔۔۔ دیواروں پر نوٹس چپکاتے ہیں پڑھنے سے متعلق اکثر۔ اسٹوڈنٹس کے کمرے کی دیواریں ان نوٹس سے بھری ہوتی ہیں پھر کہیں جا کر ان کے 40٪ مارکس آتے ہیں۔

Unicorn ہر اسٹوڈنٹ کے ٹیبل پر رکھا نظر آنے لگتا ہے۔ ایگزامز سے متعلق اقوال دیواروں پر چپکا دیے جاتے ہیں آئینے میں اپنی ہی شکل دیکھ کر ڈرا جاتا ہے۔۔۔ اور رات کو چنی منی سی نیند میں بھی کتابیں آ آ کر ڈراتی ہیں۔

تو وہ وقت آچکا تھا جو نیندیں تو بلاشبہ بھگائے گا ہی ساتھ نانیاں دادیاں اور پھوپھیاں بھی یاد کروا کر جائے گا یہ وہی دن ہوتے ہیں تا جب لگنے لگتا ہے کہ ایگزامز سیزن زندگی ہے۔ کبھی جائے گا بھی۔۔۔ زندگی کبھی معمول پر بھی تھی۔۔۔ رات کو اپنی مرضی سے سونے والی صبح آرام سے اٹھنے والی۔۔۔ گپیں ہانکنے والی ادھر ادھر گھوم پھر کر مستیاں کرنے والی۔ آکسفورڈ روڈ اور اس سے منسلک دوسری سڑکوں پر چہل قدمی کرنے والی۔۔۔ اف کبھی اتنے فارغ رہے ہیں ہم۔۔۔ پرنٹ ورک میں بڑی بڑی میزوں پر اسنوکر کھیلنے والے اوک ہاؤس کے گراؤنڈ میں آگ جلا کر اس کے گرد رات رات بھر بیٹھے رہنے والے۔۔۔ اتنے فارغ۔۔۔ کیا یہ سب ہوتا رہا ہے۔۔۔ سچ؟

پروفیسرز اسٹوڈنٹس کو دیکھ کر زیر لب مسکرا دیتے جیسے کہتے ہوں اب چڑھے گا اصل فلو۔۔۔ لائبریری اسٹاف جن بھوت بن جائے کہ اصل امتحان تو اسٹوڈنٹس ان کا لینے والے تھے۔۔۔ جو نہیں بھی موجود ہوگا وہ بھی مانگا جائے گا۔۔۔

لائبریری اور لرننگ کامنز (پڑھنے کی جگہ) رات دن کھلے تھے اور کچھ ایسا سماں پیدا کر رہے تھے جیسے وہاں عام انسان نہ ہوں کسی سیارے سے اتری مشینی مخلوق ہو جو نہ کھاتی ہے نہ سوتی ہے بس پڑھتی ہی رہتی ہے۔ اگر ساری مانچسٹر یونی کو ایک دلہن مان لیا جائے تو۔۔۔

"Commanrs alan gilbert tearning"

المعروف علی لرننگ کامنز اس دلہن کے ماتھے کا جھومر قرار پائے۔۔۔ چار اطراف شیشے سے بجی شیشے سے بنی اور بلڈنگ کے اندر بیٹھے آپ باہر کی دنیا سے لا

تعلق نہیں رہتے۔ کسی ارب پتی کے ذاتی گھر کی طرح بے حد نفیس اور صاف ستھرا..... فائیو اسٹار ہوٹل کی طرح چمکتی دمکتی' گھر کے ماحول سے کہیں بڑھ کر آرام دہ اور پرسکون..... نرم گرم علی کا منر۔"

اسٹوڈنٹس اپنی مرضی سے اپنی تعلیم کے مطابق کامن روم کا انتخاب کرسکتے تھے۔ ہال میں بھی پڑھا جا سکتا ہے جہاں کئی دوسرے اسٹوڈنٹس پڑھنے میں مصروف ہوتے ہیں۔ گروپ میں بھی الگ سے گروپ رومز میں بھی ..... دو دو چار چار کے گروپ میں بھی..... یہاں ہر طرح کی سہولت موجود ہے' چارجنگ' ایل سی ڈی' کمپیوٹر' انٹرنیٹ' وائٹ بورڈ وغیرہ وغیرہ۔

پورے لرننگ کامن کی ڈیزائننگ اور سجاوٹ ایسی ہے کہ گمان ہوتا ہے پڑھنے نہیں آئے۔ تفریح کے لیے کسی ہوٹل میں آئے ہیں۔ ساتھ ہی کیفے ہے..... اسٹوڈنٹس لرننگ کامنر میں آجائیں تو انہیں کسی دوسری ضرورت کے لیے باہر نہیں جانا پڑتا' وہاں سب کچھ مہیا کردیا گیا ہے۔

"تمہیں میری مدد کی ضرورت ہے؟" عالیان ہاتھ میں دو عدد کافی مگ لیے اس کے سامنے بیٹھ چکا تھا۔ وہ اوپن ہال میں اکیلی بیٹھی پڑھ رہی تھی۔ اسے ضرورت پڑتی تھی تو وہ اپنی کسی کلاس فیلو سے مدد لینے چلی جاتی تھی۔

"تم بزنس کے اسٹوڈنٹ ہو اور میں انگلش لٹریچر کی ..... تم میری مدد کیسے کرسکتے ہو۔" جی ایگزامز کے دنوں میں اسٹوڈنٹس چڑچڑے بھی ہوجاتے ہیں۔

"جانتا ہوں ..... لیکن تمہارے سبجیکٹ میں ایک اسکول کا بچہ بھی تمہاری مدد کرسکتا ہے۔" عالیان جیسے اسٹوڈنٹس کا مزاح البتہ عروج پر ہوتا ہے۔

"تو وہ بچے اسکول کیوں جارہے ہیں۔ یہاں آکر ماسٹرز کیوں نہیں کرلیتے؟"

عالیان نے قہقہے کو بلند ہونے سے روکا ..... کیا جواب دیا تھا امرحہ نے۔

"ان سب باتوں سے تمہارا مطلب کیا ہے؟"

امرحہ نے ہونٹ سکیڑے۔

"سیدھا اور صاف مطلب ہے' یہ بہت آسان سبجیکٹ ہے۔"

"تم میرا مذاق اڑا رہے ہو.....؟" مزاج بگڑنے لگا تھا امرحہ کو نیند کی ضرورت تھی۔

"تمہیں بتارہا ہوں....." عالیان بھرپور نیند لے کر آیا تھا' جم کر بیٹھ گیا۔

"تم طنز کررہے ہو....."

"حقیقت کو تمہاری زبان میں طنز کیا جاتا ہے؟" اس نے ذرا آگے ہو کر اس کے سامنے رکھی کتاب کو اپنے ہاتھ میں لینا چاہا تو امرحہ نے فوراً" کتاب کو جھپٹ لیا۔

"اف ..... اتنی بد تمیزی۔" اس نے ایسے طنز کیا جیسے اس نے برا مان لیا ہے' پھر بھی وہ مزید پھیل کر صوفے پر بیٹھ گیا۔

"کافی پی لو۔ ٹھنڈی ہوجائے گی۔" ہنسی دبانے کے لیے اس نے ہونٹ کا کونا دانتوں میں لیا۔

"کس نے کہا تھا' میرے لیے کافی لانے کو؟" اسٹوڈنٹس کے پیچھے بھاگ بھاگ کر نوٹ لینے والی یہ کہہ رہی تھی..... ٹھیک ہے آخر کار ہر انسان بدل ہی جاتا ہے۔

امرحہ کو یہ بات بری لگی تھی کہ اس نے اس کے مضمون کو لے کر ایسا کہا۔ دنیا میں ہر انسان نیوٹن' اسٹفین یا عبدالسلام نہیں بن سکتا' ذہانت کا معیار مشکل مضمون پڑھنا ہی نہیں ..... اگر ہر لڑکی مادام کیوری جیسی نہیں بنتی تو اس کا مطلب یہ نہیں کہ وہ کند ذہن ہے..... یا صفر ہے۔

وہ لاء پڑھ کر مارگریٹ تھیچر' آئرن لیڈی بن سکتی ہے..... ایم اے اردو کرکے بانو قدسیہ بن سکتی ہے۔ معمولی سمجھے جانے والے مضامین کو پڑھ کر بھی وہ کیا نہیں کرسکتی۔

"مجھے الہام ہوا تھا۔" وہ اس کے دبے دبے غصیلے انداز پر زیر لب مسکرا ہی دیا۔

باہر برف باری شروع ہوچکی تھی۔ دونوں قد آدم

کھڑکی کے پاس بیٹھے تھے۔

"برف باری ہورہی ہے امرحہ! دیکھو۔" اس کا مقصد صرف اس کا غصہ کم کرنا تھا۔ لیکن اگلی بات کرکے اس نے غلطی کی۔

"تم تو شاید پہلی بار دیکھ رہی ہوگی؟" اس نے کھڑکی سے باہر آسمان سے اترتے روئی کے گالوں سے برف کے گولوں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے پوچھا۔

امرحہ کا غصہ یک دم بڑھ گیا "کیوں میں کیوں پہلی بار دیکھ رہی ہوں گی؟"

"ہمارے پاکستان میں سب ہے..... سب۔" اس نے ایسے شانے لہرائے جیسے کہتی ہو یو انگریز..... او shurrup۔

"برف باری بھی؟" وہ ٹھوڑی کھجانے لگا پھر اس نے ہاتھ ٹھوڑی تلے ہی ٹکالیا۔ کرسمس نائٹ پر لارڈ میئر اپنی پسندیدہ فلم دیکھتے ہوئے' اپنے قہقہے کا گلا دبائے ہوئے۔

"یونیورسٹی کی یادداشتیں ڈاٹ کام....."

"ہاں بالکل۔" شانے پھر اچکائے۔

سندری امرحہ مزے سے سچ کا گلا دباتے ہوئے' لارڈ میئر کو کم عقل سمجھتے ہوئے دیسی انداز میں لمبی لمبی چھوڑتے ہوئے ایک جھوٹ سو کہانیاں ڈاٹ کام۔

"لاہور میں برف باری ہوتی ہے امرحہ..... اچھا..... کب کب؟"

"جب جب یہاں ہوتی ہے۔" امرحہ کے انداز کی نظر اتاری جانی چاہیے تھی۔

"اچھا..... اور کیا کیا ہوتا ہے لاہور میں.....؟"

لارڈ میئر نے ریموٹ پھینک دیا ہے' انہیں صرف یہی فلم دیکھنی ہے۔

"سب..... سب..... جو یہاں بھی نہیں ہے سب ہے وہاں..... جی ہاں..... پھول' پودے' اسکول' کالج' یونیورسٹیاں' عجائب گھر' بڑے بڑے بازار' شاپنگ سنٹر ہوٹلز' سپر جنرل اسٹورز' ٹرین' موٹروے' بڑی بڑی سڑکیں' سب ہے ہمارے پاس..... تم نے کیا سمجھ رکھا ہے ہمیں.....؟"

وہ اتنی دلچسپی اور محویت سے اسے دیکھ رہا تھا جیسے چھوٹے بڑے سب ٹام اینڈ جیری دیکھتے ہیں..... اس کے مدلل انداز۔

"تم نے کیا سمجھ رکھا ہے ہمیں؟" انداز کچھ ایسا تھا جیسے عدالت میں جج کا ہوتا ہے۔

"بتاؤ جوزف تم نے قتل کیوں کیا..... کیوں کیا..... جواب دو..... ٹھہرو..... سزا کے لیے تیار ہوجاؤ..... الیکٹرک چیئر تمہارا مقدر ہے..... ہاں تمہارا مقدر۔"

"لاہور میں سب نہیں ہے امرحہ! سب کچھ تو مانچسٹر میں ہے۔" مسکراہٹوں میں سب سے پیاری مسکراہٹ سجاکر عالیان نے کہا۔

"ہاں تم تو یہی کہو گے۔" سندری امرحہ نے بروں میں سب سے بری طرح منہ بنا کر کہا۔

"میں..... ہاں میں ہی تو یہ کہوں گا..... لاہور خالی ہوچکا ہے..... اس کے پاس سب نہیں ہے..... تم تو یہاں بیٹھی ہو..... اس کے پاس سب کیسے ہوسکتا ہے..... اس کا سب تو مانچسٹر میں آچکا ہے۔"

کھڑکی کے باہر گرتے برف کے گالوں نے اتنی پیاری بات پر تالیاں بجائیں..... وہ سفید سے نیلے' پیلے' ہرے ہوگئے..... اور امرحہ خاموش ہوگئی اور کتاب پڑھنے کی کوشش کرنے لگی۔

"ویسے یہ دیکھو۔" اس نے اپنا موبائل امرحہ کے آگے کیا جہاں لاہور کے موسم کی ساٹھ سالہ تاریخ موجود تھی۔

"لاہور میں برف باری نہیں ہوتی۔" کہہ کر اس نے بلند قہقہہ لگایا۔ اس بار اس نے آواز دھیمی رکھنے کی کوئی کوشش نہیں کی تھی۔ ادھر ادھر بیٹھے اسٹوڈنٹس نے اس کی طرف دیکھا کہ اتنے دباؤ میں بھی کون ایسے دل سے ہنس رہا ہے۔ عالیان ..... اور کون .....

"ہوتی ہے۔" وہ اپنی بات پر قائم رہی۔

"سندری امرحہ..... سچ سچ..... لاہور کی پتنگیں اور گلیوں کی نہ ختم ہونے والی ڈوریں....." لاہور کی تاریخ اور رنگیلے لوگوں سے اکتساب۔

عالیان نے کسی قدر حیرت سے اسے دیکھا۔

"اور یہ سب؟" اس نے موبائل پر نظر آنے والے کالم کی طرف اشارہ کیا جو لاہور کے موسم کے بارے میں تھا۔

"یہ غلط ہے ... کسی جھوٹے انسان نے لکھا ہے۔" اس بار امرحہ نے شانے اور گردن ایک ساتھ اُچکائے اور اتنے یقین اور سنجیدگی سے کہا کہ عالیان کا جی چاہا کہ کہہ دے کہ ہاں ساری دنیا جھوٹی ہے 'غلط ہے۔ صرف تم سچی ہو ... مجھے صرف تمہاری بات پر یقین ہے۔' لیڈی مہر کی طرح ٹھوڑی تلے ہاتھ رکھ کر وہ اپنی مزید مسکراہٹ دبائے اسے دیکھتا رہا۔

دونوں کے درمیان کچھ دیر خاموشی رہی۔

سندری امرحہ ایسے ہی جھوٹ بولتی جائیں اور لارڈ میئر ایسے ہی سنتے جائیں ... وہاں کچھ ایسا ماحول تھا ... علی رنگ کے اوپن ہال میں ... کھڑکی کے پاس ...

"اگر میں لاہور جا کر رہوں اور برف باری نہ ہو تو تم مجھے کہو گی کہ اس سال ہی نہیں ہوئی۔ اگر میں اگلے سال تک کے لیے لاہور میں رک جاؤں تو تم کہو گی کہ موسم میں خطرناک حد تک تبدیلی آچکی ہے ... اور اگر میں آس پاس کے لوگوں سے تصدیق کے لیے پوچھنا شروع کر دوں تو تم کہو گی کہ سب جھوٹ بول رہے ہیں۔ تمہاری بے عزتی کروانا چاہتے ہیں۔" اپنی ساری ہمت مجتمع کر کے اپنی ہنسی کو اندر ہی روک کر وہ بمشکل اتنا ہی کہہ پایا۔

"تو تم کیا ثابت کرنا چاہتے ہو کہ سب کچھ تمہارے پاس ہی ہے؟"

وہ ہنسا "تم دو شہروں کے سرسری جائزے میں بھی حاسد ہو امرحہ ... میں نے یہ کب کہا کہ ہمارے پاس سب کچھ ہے ... میں نے صرف اتنا کہا کہ کیا تم پہلی بار برف باری دیکھ رہی ہو ... بس تم برا مان گئیں۔"

"میں بہت بار دیکھ چکی ہوں ... بس۔" امرحہ باز آنے والی نہیں تھی۔

"ٹھیک ہے پر کہاں ...؟"

"فلموں میں ... ٹی وی پر ... میگزینز میں۔" اس نے روانی سے کہا۔

عالیان نے سر کو اٹھایا۔ علی رنگ کی چھت کو دیکھا اور اتنی زور سے قہقہہ لگایا کہ ہال میں موجود ذرا زیادہ فاصلے پر موجود اسٹوڈنٹس بھی سر اٹھا کر اسے دیکھنے لگے اور قریب کی نشستوں پر ذرا دیر کو اونگھنے والے اسٹوڈنٹس ڈر کر، جھرجھری بھر کر چونک کر آس پاس دیکھنے لگے۔

"عالیان!" ڈر کر اٹھ جانے والی میگن نے اسے گھورا۔

عالیان نے اپنے منہ پر ہاتھ رکھ لیا ... امرحہ خاموشی سے کتاب پڑھنے لگی کہ وہ چلا جائے لیکن اپنی ہنسی قابو میں کرنے کے بعد وہ اس کی ایک کتاب لے کر بیٹھ گیا اور اسے سرسری دیکھنے لگا ... وہ کتاب کا ایک صفحہ الٹتا اور اسے دیکھتا ... پھر اسے دیکھتا اور جلدی سے صفحہ الٹ دیتا۔ وہ غیر ارادی طور پر اس کے مزاج کو بگاڑ چکا تھا ...

"تمہاری آنکھیں ..."

"میری آنکھیں کیا ...؟" امرحہ کو یقین تھا اب وہ اس کی آنکھوں کو نشانہ بنائے گا۔ 'کالی ... گہری'۔

"مجھے بھوری آنکھیں پسند نہیں۔" اس نے جلدی سے اسے ٹوک دیا۔

"میں نے تم سے اپنی آنکھوں کے بارے میں تو نہیں پوچھا۔"

"تم میری آنکھوں کو برا کہتے، میں نے پہلے ہی کہہ دیا۔" کیا حکمت عملی اپنائی تھی امرحہ نے ... واہ۔

"میں نے تمہیں برا کب کہا؟"

"کہہ سکتے تھے ... امکانات تھے۔" کافی ذہین تھی امرحہ ویسے ... بادام کھاتی رہی تھی نا ...

"جب کہا ہی نہیں تو ...؟"

"کہہ دیتے تو ...؟"

"میں تو بس اتنا کہنے لگا تھا کہ تمہاری آنکھیں بہت گہری ہیں۔ جب تمہیں پہلی بار روتے ہوئے دیکھا تو مجھے معلوم ہوا کہ یہ بہت آنسو بہا چکی ہیں، بہت روتی رہی ہیں۔"

نوٹس لکھتے امرحہ کے ہاتھ رک گئے۔ وہ ٹھیک کہہ رہا تھا۔ اسے اس سے خوف محسوس ہوا۔ وہ اس کے بارے میں اور کس کس بات کا ایسے ٹھیک ٹھیک اندازہ لگا چکا تھا ...؟ اس کی نحوست کا بھی ... کیا اس کا بھی کہ لاہور میں وہ کتنی غیر اہم رہی ہے ... گھر کا، خاندان کا حصہ ہو کر بھی حصہ نہیں سمجھی گئی۔ اس پر کیسے کیسے طنز کیے جاتے رہے ہیں۔ اس کا کیسے کیسے مذاق اڑایا جاتا رہا ہے۔

وہ امرحہ جو رات کے اس وقت بارہ بجے کے قریب مکمل اعتماد سے علی رنگ کامن میں بیٹھی پڑھ رہی ہے 'دادا کے کمرے میں خوف سے چھپ جایا کرتی تھی کہ گھر میں آنے والے مہمان اسے دیکھ نہ لیں ... اگر وہ کسی تقریب میں چلی ہی جاتی تو کوئی ایسی جگہ تلاش کرتی جہاں کوئی اسے دیکھ نہ سکے۔ وہ اپنے ہم عمروں کو باتیں کرتے، قہقہے لگاتے، اچھل کود کرتے دیکھتی لیکن اپنی جگہ سے نہ ہلتی ... ان کے پاس جانے کی ہمت نہ کر پاتی ...

"کیوں روتی رہی ہو تم؟"

"میں کبھی نہیں روئی۔" کس قدر خوفناک سوال پوچھ لیا تھا عالیان نے ... وہ اس سوال کا جواب کبھی نہیں دے گی۔

"یہ جھوٹ ہے۔" اس نے سنجیدگی سے کہا۔

"میں کبھی نہیں روئی ... کہا نا۔"

"جو کبھی نہیں روتا، وہ انسان نہیں ہوتا ... تم انسان نہیں ہو کیا؟"

"تم انسان ہو۔ تم روتے ہو؟"

"ہاں! رویا ہوں، بہت رویا ہوں۔" خاموشی کے بوجھل وقفے کے بعد وہ بولا۔ اس کی آواز اداس ہو گئی۔ وہ پہلی بار اتنا اداس نظر آیا۔

"کیوں؟" امرحہ کو اپنی غلطی کا فوری احساس ہوا۔

خاموشی سے وہ جیسے سر جھکا کر بیٹھا کا بیٹھا رہ گیا۔

"دیکھا برا لگا نا ... اپنے رونے کی وجہ کوئی بھی بتانا پسند نہیں کرتا ..."

"میں چھ سال کا تھا جب رات بھر اپنے ہاتھ کو اپنی ماما کے ہاتھ میں دیے ان کے سرہانے بیٹھا رہا تھا ... صبح ان کا ہاتھ سرد ہو چکا تھا اور سخت بھی ... اور جب لوگوں نے میرے ہاتھ کو ان کے ہاتھ سے نکالنے کی کوشش کی تب میں رونے لگا ... اور بعد میں بھی اس منظر کو یاد کر کے روتا رہا ... یہ میرے اب تک کے رونے کی سب سے بڑی وجہ ہے۔"

امرحہ کو اپنے رویے پر شرمندگی ہوئی۔ "آئی ایم سوری۔"

وہ اٹھا اور چلا گیا ... اس کی چال بتا رہی تھی کہ وہ خود کو کس کیفیت سے نکالنے کی کوشش کر رہا ہے ... امرحہ نے اسے جاتے ہوئے دیکھا۔ اس کا اپنے بارے میں اندازہ بالکل ٹھیک تھا۔ وہ کافی خود غرض ہوتی جا رہی تھی۔ غالباً "ٹھیک کہہ گیا تھا کہ جو روتا نہیں وہ تو انسان ہی نہیں ہے ... اور سب انسان روتے ہیں ... کبھی نہ کبھی ... کسی نہ کسی وجہ کو لے کر ...

لیڈی مہر اپنے بچوں کے بارے میں صرف اس محبت کا ذکر کرتی تھیں جو ان سب کے درمیان تھی۔ وہ کبھی یہ نہیں بتاتی تھیں کہ کون کیا، کیوں اور کیسے ہے ... وہ اس کڈز سینٹر تک کیسے پہنچا ... اس کا ماضی کیا ہے ... وہ کہا کرتیں "ان کے بچوں کا ماضی کتنا بھی بھیانک رہا ہو، ان کا حال پرعزم ہے اور مستقبل شاندار۔ وہ ان کے بچے تھے اور وہ ان کی تکلیفوں کو ان کے سوا کسی اور کے ساتھ زیر بحث نہیں لائی تھیں ... کبھی مورگن، شارلٹ، ڈینس یا کوئی اور ان کے پاس پریشان صورت لیے آتا تو گھنٹوں کمرہ بند کیے اپنے اس بچے یا بچی کو لیے جانے کون کون سی باتیں کرتی رہتیں۔ امرحہ سمجھ سکتی تھی کہ آپ کتنے بھی مضبوط اور بہادر بننے کی کوشش کریں۔ ماضی سامنے آ کر تھوڑی دیر کے لیے ہی سہی پر دیوانہ سا ضرور کر دیتا ہے ... آپ اپنے حواس کھونے لگتے ہیں ... عالیان کے بارے میں اگر امرحہ نے کچھ جاننا چاہا تو انہوں نے صرف اتنا کہا۔

"وہ میرا بہت بہادر بیٹا ہے اور اپنی ماں مارگریٹ سے مثالی محبت کرتا ہے۔"

بس اس سے آگے انہوں نے کچھ نہیں کہا۔ وہ ایک سمجھ دار خاتون تھیں۔ انہیں معلوم تھا کس کے بارے میں کتنی بات کرنی ہے اور اپنے بچوں کے لیے تو وہ بہت سمجھ دار تھیں۔

امرحہ اپنے رونے کو لے کر بیٹھی تھی اور سمجھتی تھی۔ اس سے زیادہ دکھ کسی کو ملے ہی نہیں۔ اس سے زیادہ زیادتی زندگی نے کسی کے ساتھ کی ہی نہیں۔ قدرت نے سب غم کے پہاڑ اسی پر توڑ ڈالے ہیں..... کسی خوشی کا حق دار اسے ٹھہرایا ہی نہیں گیا..... ایک امرحہ ہی گیا..... ہم سب یہی سوچتے اور اسی سوچ پر یقین رکھتے ہیں۔

انسان نے سب سے زیادہ علم جو خود کو سکھایا ہے ' وہ ناشکر گزاری اور شکوہ سرائی ہی تو ہے۔

☼ ☼ ☼

سر سبز مانچسٹر یونی برف سے اٹ چکی تھی۔ برف پڑی نظر آتی تھی ' پہلی بار برف کے ایسے ڈھیروں کو دیکھنے والوں کا جی چاہتا تھا کہ وہ ان ڈھیروں پر پھسلیں ' گولے بنا بنا ایک دوسرے کو ماریں..... اور بہت سے اسٹوڈنٹس وقت نکال کر ایسا کر بھی لیتے تھے۔ مانچسٹر پر سفید پری کا راج تھا اور گرم خطوں سے تعلق رکھنے والے اس سفید پری پر فدا ہوئے جا رہے تھے جبکہ ٹھنڈے خطوں کے باشندے ایسے موسم سے بہت چڑتے ہیں۔ وہ بہار کے دلدادہ ہوتے ہیں کم نہیں منہ سے بھاپ نکالتے اس موسم سے کوئی خاص لگاؤ نہیں۔ اتنے ڈھیر سارے گرم کپڑے پہننے سے انہیں کوفت ہوتی ہے..... پاکستانیوں کی تو خیر جان ہوتی ہے سردیوں میں..... اور وہ سردیوں کے مختصر دورانیے کو ایسے مناتے ہیں جیسے مغربی کرسمس کی چھٹیوں کو.....

دستانے ' ٹوپی چڑھائے ' کانوں کے گرد مفلر لپیٹے ' گرم کوٹ کی جیبوں میں ہاتھ دیے..... سرخ ناک لیے..... دھند کو اپنے اندر اتارتے دھند کو چیرتے چلتے امرحہ یونیورسٹی میں آتے ہی مبہوت سی ہو جاتی..... دھند یونیورسٹی کی عمارتوں سے ہوتی زمین پر اتر رہی ہوتی..... وہ تھوڑی دیر کو کھڑی کی کھڑی رہ جاتی۔

"کیا یہ کسی خواب کا منظر ہے..... یا خواب ہی ہے؟"

اسٹوڈنٹس تیزی سے آ جا رہے ہوتے..... نیلے ' پیلے ' سرمئی ' کالے ' سفید کوٹوں والے ' ٹوپیوں والے ' منہ سے بھاپ نکالتے..... ہاتھوں کو رگڑتے یا جیبوں میں دیے کتنے پیارے مناظر تھے..... ٹھنڈ تھی..... برف تھی..... دھند تھی..... اور آزادی تھی۔ دوست تھے..... ہلا گلا تھا..... اور کوئی دکھ نہ تھا۔

دو دن بعد امرحہ تھوڑا سا وقت نکال سکی عالیان کے پاس جانے کے لیے ' علی رنگ کامن کے گروپ اسٹڈی روم کے شیشے کے دروازے کے پار وہ اسے نظر آ گیا۔ کم سے کم گیارہ اور اسٹوڈنٹس بیٹھے تھے اور وہ وائٹ بورڈ کے پاس کھڑا لیکچر سا دے رہا تھا۔ پین سے وہ وائٹ پر کوئی سوال حل کر رہا تھا۔ امرحہ نے اس کے لیے کافی لی تھی اب اتنے اسٹوڈنٹس میں وہ ایک مگ کافی تو نہیں دے سکتی تھی ' اس لیے پلٹ آئی۔ وہ سیڑھیوں کی طرف بڑھ رہی تھی جب عالیان تقریباً" اس کے پیچھے بھاگتا ہوا آیا.....

"یہ میرے لیے لائی ہو۔" اس نے مگ پکڑ کر گھونٹ بھرا۔

"ہاں!" وہ مگ ہاتھ میں لے چکا تھا۔ کافی پی رہا تھا اور پوچھ رہا تھا امرحہ نے اسے داد دی۔

"مفت!" وہ سیڑھیاں اترنے لگا اس کے ہال کی طرف بڑھنے لگا۔

"ظاہر ہے مفت..... یہ ٹویٹ نہیں ہے....."

"اوہ شکر کہ یہ ٹویٹ نہیں ہے..... ویسے ہی میرے سر پر دس بارہ ٹویٹس ہیں..... چار تو کارل کی ہیں..... اور وہ میری جان کو آیا ہوا ہے۔"

"تمہیں کیسے پتا چلا کہ میں آئی ہوں؟"

"دو دن سے انتظار کر رہا تھا تمہارا۔" چلتے چلتے اس نے گردن موڑ کر کہا۔

"پر میں نے کب کہا تھا۔ میں آؤں گی؟"

"آنا چاہیے تھا....."

"تم کہاں جا رہے ہو؟" امرحہ کو نیچے جانا تھا اسے تو نہیں نا.....

"میں تمہارے ساتھ....."

"میرے ساتھ کیوں آ رہے ہو..... تم پڑھو بلکہ شاید تم کوئی لیکچر دے رہے تھے۔"

"میں بریک لینے کے بارے میں سوچ ہی رہا تھا۔"

"میں تو صرف معذرت کرنے آئی تھی تم سے۔" دونوں سیکنڈ فلور پر آ کر رک چکے تھے۔

"ٹھیک ہے۔ کرو۔"

امرحہ اس کا منہ دیکھنے لگی۔

"کرو بھئی..... میں سن رہا ہوں۔" کافی کی چسکی لے کر اس نے کہا۔

"معذرت کرنے آئی تھی..... جب یہ کہہ دیا تو مطلب معذرت کر لی..... اور کیا۔"

"آں..... اچھا۔ اب آگے....."

"آگے کیا؟" امرحہ کو پھر سے غصہ آنے لگا۔

"تم اتنے پیارے سرد مانچسٹر میں رہ کر اتنی جلدی گرم کیوں ہو جاتی ہو؟" عالیان مسکرایا یعنی امرحہ سے ناراض ہونا وہ جانتا ہی نہیں تھا۔ اس کے غصے کو وہ پھول کی پتی کی مانند چھو کر اڑا دیتا تھا۔

"اچھا چلو ' ایگزامز کے بعد ملتے ہیں..... مشکل ہے لیکن میں کر لوں گا..... ورنہ میرا تعلیمی ریکارڈ خراب ہو جائے گا....."

"مجھے تمہاری باتیں سمجھ میں نہیں آتیں....."

"مجھے خود بھی میری باتیں سمجھ نہیں آتیں..... اچھا تم جاؤ....."

"کیسے انسان ہو تم ' کسے جانے کے لیے کہہ رہے ہو۔" کارل کی آواز ان کے قریب ' لیکن پیچھے سے آئی اور اس نے بڑھ کر عالیان کی گردن دبوچ لی۔

امرحہ تو فوراً" وہاں سے غائب ہو گئی وہ امتحانات کے دنوں میں اس سے کوئی لڑائی مول لینا نہیں چاہتی تھی..... لیکن اگلی رات کو وہ خود امرحہ کے پاس آیا.....

کچھ فاصلے پر بیٹھی لیزا پڑھتے پڑھتے لڑھک کر سو چکی تھی اور صوفے اور کارپٹ کے درمیان جھولتی کافی مضحکہ خیز لگ رہی تھی۔ پہلے تو اسے دیکھ دیکھ کر امرحہ اپنی ہنسی روکتی رہی پھر اس کے پاس آئی اسے دھکیل کر کارپٹ پر کیا تاکہ وہ ٹھیک سے کارپٹ پر ہی سو جائے..... سامنے اس کا لیپ ٹاپ کھلا رکھا تھا۔ اکثر ایسی چیزیں غائب کر لیے جانے کے واقعات ہو جاتے تھے..... امرحہ نے اس کی چیزیں سمیٹیں اور بیگ کو اس کے سر کے پیچھے رکھا..... ابھی لیپ ٹاپ پر اس نے ہاتھ رکھا ہی تھا کہ اسے محسوس ہوا کہ اس کی تصویر کھینچی گئی ہے..... اس نے گردن موڑی تو کارل کھڑا تھا۔

"امرحہ The Lost Duck علی لرننگ کامن میں سوئے ہوئے اسٹوڈنٹس کی چیزیں چراتے ہوئے..... اپنی نوعیت کا چالیسواں واقعہ....." فون ہاتھ میں لیے وہ مسکرا رہا تھا۔ "یہ گرما گرم خبر کچھ ہی دیر میں The Tab Manchester (اسٹوڈنٹس ویب سائٹ) میں آ جائے گی....."

امرحہ کا جی چاہا کہ لیزا کی ٹھنڈی ہو چکی کافی اس پر انڈیل دے ' پر وہ باز رہی..... وہ اپنی آنکھوں کی چنگاریاں دبائے اسے گھور رہی تھی اور کارل کو یہ نظر آ رہا تھا کہ اسے گھورا جا رہا ہے..... وہ ہاتھ باندھ کر ایسے کھڑا ہو گیا جیسے سو دو سو پاپا رازی اس کی تصویریں کھینچ رہے ہوں.....

"تمہیں غصہ آ رہا ہے؟..... ہاں تمہیں تو غصہ آ رہا ہے۔" وہ مسکرایا۔

"میں عالیان سے کہتی ہوں۔" امرحہ کو آگ ہی لگ گئی۔

وہ ہنسا "عالیان میرا باپ نہیں ہے ' ویسے ہوتا تو بھی وہ کچھ نہ کر سکتا تھا۔"

وہ ٹھیک کہہ رہا تھا یہ دھمکی چلنے والی نہیں تھی کہ میں تمہاری اماں سے تمہارے ابا سے تمہاری شکایت کر دوں گی یا ذرا رکو میں ابھی اپنے بھائی کو لے کر آئی ' وہ تمہاری عقل ٹھکانے لگائے گا۔

"کچھ ہی دیر میں تم یونی میں مشہور ہو جاؤ گی ' پھر ہر کوئی تم سے اپنی چوری شدہ چیزوں کا مطالبہ کرے گا

۔۔۔۔ وہ بھی جن کی کبھی ایک پن بھی چوری نہیں ہوئی ہو گی۔۔۔ تم سوچ سکتی ہو میرا کیا مطلب ہے۔" اف وہ پھر مسکرایا۔۔۔ گندا بچہ۔

امرحہ کارل کو وہیں چھوڑ کر ویرا کے پاس آئی۔ وہ اپنی کلاس فیلوز کے ساتھ گروپ اسٹڈی کر رہی تھی۔ ویرا کو ساری بات بتائی۔۔۔ ویرا ہنسنے لگی۔

"تم فکر نہ کرو۔ وہ تمہیں ڈرا رہا ہے۔۔۔ ویسے میں The Tab کے ایڈیٹر کو جانتی ہوں۔۔۔ بات کر لیتی ہوں اس سے۔۔۔ تم فکر نہ کرو۔"

"یاد سے کر لینا ورنہ کل تک میں چور مشہور ہو چکی ہوں گی۔"

ویرا نے قہقہہ لگایا "ویسے ایسا کر کے دیکھتے ہیں۔۔۔ تمہیں معلوم ہو گا کہ چور کیسا محسوس کرتے ہیں۔"

"مجھے ایسے احساسات معلوم نہیں کرنے یعنی حد ہے۔۔۔ ایک چور کے احساسات ہی رہ گئے ہیں معلوم کرنے کے لیے۔"

ویرا ہنسی سے لوٹ پوٹ ہونے لگی "ایسی باتیں کرتی تم بڑی پیاری لگتی ہو۔ اگر اگلے جنم نام کی کوئی چیز ہے تو مجھے امرحہ بننا ہے۔۔۔ ینگ لیڈی آف پاکستان۔"

"اور مجھے ویرا۔۔۔ خونخوار لیڈی آف رشیا (روس)"

ویرا نے وہیں کھڑے کھڑے ایڈیٹر سے بات کی' کچھ دیر بعد ویرا نے ایم ایم ایس جو ایڈیٹر نے اسے بھیجا تھا۔ امرحہ کو دکھایا۔۔۔ وہ امرحہ کی تصویر تھی۔

"جادو سے ہپناٹائز کر کے اسٹوڈنٹس کی چیزیں چھپا دینے والی فریشر امرحہ (The Lost Duck) اپنی نوعیت کا چالیسواں واقعہ' یونیورسٹی انتظامیہ سے تحقیقات کی گزارش کی جاتی ہے۔"

"وہ تمہیں چور نہیں جادوگر ثابت کر رہا ہے۔۔۔ تم دیکھتیں' کل تک تمہارے پاس اسٹوڈنٹس کی لائن لگ جاتی ہپناٹیزم کے لیے۔۔۔" ہنستے ہنستے ویرا بے حال ہو گئی۔۔۔ امرحہ بھی ہنسنے لگی۔

"یہاں بڑی مانگ ہے ہپناٹزم کی۔۔۔ تم تو مزے سے ہزاروں پونڈ کما لیتیں۔۔۔ آج کل تو پروفیسرز کو ہپناٹائز کرنے کے لیے کہا جاتا۔۔۔ ہاہاہا۔۔۔ منہ مانگے پونڈز ملتے تمہیں امتحانات کے دنوں میں۔"

لیکن یقیناً "کارل کو اپنی تیاری سے زیادہ امرحہ کی فکر تھی کہ وہ بے چاری یہ نہ سوچتی ہو کہ اسے کوئی تنگ نہیں کر رہا۔ آخر اس کے ساتھ یہ غیروں والا سلوک کیوں؟ تو وہ اس کے ساتھ اپنوں جیسا سلوک کرنے اگلی رات علی لرننگ میں موجود تھا۔۔۔۔

علی لرننگ میں امتحانات کے دوران پڑھنے کا ایک بڑا فائدہ یہ ہے کہ جو پورا سمسٹر آپ کو نظر نہیں آتے وہ نظر آتے آتے آپ کے دوست بن جاتے ہیں۔ پورا مہینہ علی لرننگ کامن میں "ہاؤس فل شو" ہوتے۔۔۔ جو راتوں کو اپنے بستروں پر سوتے ہیں وہ یہاں اونگھتے اور پڑھتے پائے جا سکتے ہیں۔۔۔ رات رات بھر ان کی شکلیں دیکھنے کو مل جاتی ہیں۔ علی کامن' لائبریری' کیفے چوبیس گھنٹے کھلے رہتے تھے۔۔۔ تو کارل اس کے سامنے آ کر بیٹھ گیا۔۔۔ امرحہ نے اس کے اٹھنے کا انتظار کیا اور مکمل توجہ سے پڑھنے کی کوشش کی' لیکن بے کار۔۔۔ کبھی نوٹس اس کے ہاتھ سے گر جاتے' کبھی پین اور پھر لیپ ٹاپ بھی گر گیا۔۔۔۔

اف اب وہ اتنا سامان سمیٹ کر دوسری جگہ جائے۔۔۔۔ اب تو اسے فلور پر ہی بیٹھنا پڑے گا کیونکہ سب جگہیں پُر تھیں۔۔۔ اور اسے یقین تھا' وہ جہاں بھی جائے گی۔ کارل اس کے سامنے آ کر ایسے ہی بیٹھ جائے گا۔۔۔

کارل خاموشی سے اسے دیکھ رہا تھا۔ اس کی آنکھیں بتا رہی تھیں کہ اس کے دماغ میں کچھ چل رہا ہے اور جو چل رہا ہے وہ ایسا کچھ اچھا ہرگز نہیں ہے۔۔۔ کارل کے دماغ میں ایک ایسی ہسٹری فکس تھی جو کبھی ڈاؤن نہیں ہوتی تھی۔ سب امتحانات کے مارے ہوئے تھے اور وہ الٹی سیدھی حرکتوں میں غلطاں تھا۔۔۔ پھر بھی ہر سال وہ اسکالرشپ لے لیتا تھا۔۔۔ اگر وہ ایسی حرکتیں نہ کرے اور صرف پڑھے تو یقیناً "وہ یونی کا ڈین بن جائے۔ سارے کتابیں' نوٹس' کاغذ' لیپ ٹاپ' پین وغیرہ کو اپنی بانہوں میں عارضی طور پر سمیٹ کر وہ بمشکل اٹھی اور نئی جگہ کی تلاش کرنے لگی۔

وہ چند قدم ہی چلی ہو گی کہ اس کے ہاتھ پر بجلی گری۔۔۔ جی بجلی۔۔۔ آسمانی نہیں۔۔۔ زمینی۔۔۔ کارل نے اپنے ہاتھ میں پکڑے پین کو اس کے ہاتھ پر لگایا تھا ایک دم سے پیچھے سے آ کر۔۔۔ اور اس کے ہاتھوں میں پکڑی سب چیزیں زمین بوس ہو چکی تھیں۔۔۔ لیپ ٹاپ بھی "ٹھاہ" کر کے گرا تھا۔ اب اللہ ہی جانتا تھا وہ چلے گا یا ستے داموں بکے گا بھی نہیں۔

"کیا بدتمیزی ہے یہ؟" امرحہ چلائی۔

"کیا ہوا؟" اف کارل کی معصومیت۔۔۔

"تم نے کیا لگایا ہے میرے ہاتھ پر؟"

"میرے ہاتھ تو خالی ہیں۔۔۔ صرف یہ ایک پین ہے میری ہاتھ میں۔۔۔ میں پڑھ پڑھ کر تھک چکا تھا' سوچا تم سے باتیں شاتیں کر لوں۔۔۔"

"اس پین میں کچھ تھا۔۔۔ ضرور کچھ تھا۔" امرحہ قسم کھا سکتی تھی اس میں کرنٹ تھا۔

"تمہیں میرے اس پین پر شک ہے؟" اس نے پین لہرایا۔۔۔ "دیکھو یہ صرف ایک پین ہے۔ اس سے لکھا جاتا ہے۔۔۔ لکھنا سمجھتی ہو نا۔۔۔ ایسے۔۔۔ ایسے لکھتے ہیں۔"

امرحہ نیچے بیٹھ کر اپنی چیزیں سمیٹنے لگی وہ بھی نیچے بیٹھ کر اس کی چیزیں سمیٹنے لگا اور ایک بار پھر امرحہ کے ہاتھ پر کرنٹ کا ایک جھٹکا لگا۔۔۔ امرحہ نے چیخ ماردی' کارل نے دونوں ہاتھ اٹھا لیے۔۔۔ "ٹھیک ہے ٹھیک ہے۔۔۔ نہیں کرتا تمہاری مدد میں۔۔۔ تم تو جنگلیوں کی طرح چلا رہی ہو۔۔۔ میں یونیورسٹی انتظامیہ سے بات کرتا ہوں آخر وہ یونیورسٹی میں خلائی مخلوق کو داخلے کیوں دیتے ہیں۔۔۔ یہ تو اچھی بات نہیں ہے نا۔۔۔ اس طرح تو تم لوگ ہمیں پاگل کر دو گے' آخر ہم کیوں پاگل ہوں تمہارے لیے۔"

امرحہ نے لیپ ٹاپ اٹھا لیا۔۔۔ "اگر تم یہاں سے نہیں گئے تو میں تمہارا سر پھوڑ دوں گی۔"

"اس طرح تمہارا لیپ ٹاپ بھی ٹوٹ جائے گا۔۔۔ جہاں تک میرا خیال ہے ابھی تک میرے سر سے زیادہ' تمہیں لیپ ٹاپ عزیز ہو گا۔"

"تم اس کی جان کیوں نہیں چھوڑ دیتے؟" عالیان نے آ کر ایک زوردار گھونسا اس کی کمر میں جڑا۔۔۔ اور اس کے ہاتھ سے پین جھپٹ لیا۔۔۔۔

کارل نے قہقہہ لگایا "میں تو یہاں سے گزر رہا تھا امرحہ نے ہی مجھے روکا کہ آؤ باتیں کرتے ہیں۔ باتیں شاتیں۔"

عالیان نے امرحہ کی سب چیزیں سمیٹیں اور اس کے ہاتھ میں کارل کا پین دیا۔

"اس پین کا استعمال میں تمہیں سکھا دوں گا۔ اگلی بار یہ تمہارے پاس آئے تو اسی پین سے اسے کرنٹ دینا۔"

امرحہ نے تبرک کی طرح پین کو قبول کیا۔۔۔ اور اپنی کلاس فیلو کی ٹیبل پر چلی گئی۔۔۔۔

کارل کا قہقہہ اس کے پیچھے گونجتا رہا۔

کارل انسانی حلیے میں ایک غیر انسانی مخلوق۔۔۔ بلاشبہ۔۔۔۔

پین میں ایک ہیوی ہسٹری فکس تھی' جو پین کے کیپ کو بائیں طرف حرکت دینے پر کام کرتی اور پین کی نب سے ہلکا سا کرنٹ نکلتا۔۔۔ جو معمول کے اوقات میں کافی زوردار لگتا۔۔۔ عام استعمال میں وہ پین ایک عام لکھنے والا پین تھا۔۔۔ صرف اس کا مالک ہی اس کا استعمال جانتا تھا۔۔۔ اور اس کا مالک کارل تھا۔۔۔۔

یہ پین بھی کارل کا ٹریڈ مارک تھا۔۔۔ اب تو کارل کے لیے پرانا ہو چکا تھا۔ لیکن امرحہ کے لیے بہرحال نیا ہی تھا۔۔۔ امرحہ کے لیے ہی اس نے نکالا تھا۔

وہ اس پین کا استعمال' یونی میں' اسٹوڈنٹس سے بھرے کوریڈورز' لان' کلاسز' گراؤنڈ' لائبریری' سب ویز' بس' ہوٹل' بارز' کلب' کیفے ہر جگہ کیا کرتا' خریداری کے دوران بھی' سڑک پر چلتے رش والی جگہ پر بھی۔۔۔۔

کئی بار کلاس میں اس نے پروفیسرز کو بھی یہ جھٹکے دیے تھے۔۔۔ جس دن اس کا یہ موڈ ہوتا وہ پہلی رو میں

بیٹھ جاتا اور بلاوجہ لیکچر کے دوران یہ ظاہر کرتا کہ اسے لیکچر میں فلاں فلاں پوائنٹ سمجھ میں نہیں آرہے ــــ پروفیسر چلتے اس کے قریب آجاتے ــــ

کارل دونوں ہاتھوں کو کھڑا ہو کر لہراتا اور ایسے لہراتا جیسے اسے بات کے دوران ہاتھ چلانے کی عادت ہے ــــ بہت سے لوگوں کو یہ عادت ہوتی ہے ــــ خیر ہاتھ چلاتے چلاتے ہیں پروفیسر کی ٹھوڑی 'گردن 'کان کی لو اور کبھی ناک سے ٹکرا جاتا۔ ایسا ہو ہی جاتا ہے اس میں کوئی حیرانی کی بات نہیں ــــ خیر ــــ تو اور بے چارے پروفیسر ــــ بھری کلاس میں چلا اٹھتے ــــ ڈر کر ــــ حواس باختہ سے ہو جاتے ایک دم سے اچھل پڑتے ــــ بے چارے پروفیسر صاحب ــــ

ایسے موقعوں پر کلاس کے لیے اپنے قہقہوں کا گلا دبانا مشکل ہو جاتا ــــ عالیان کہیں قریب ہی ہوتا تو اس کی کمر پر چٹکی بھرتا ــــ

"کسی کی جان جائے گی تیرے اس چھوٹے موٹے کرنٹ کے گولے سے۔"

"گئی تو نہیں نا ــــ ویسے بھی سائنس کہتی ہے کہ ایک عام انسان کے جسم میں اچھے خاصے وولٹیج کے کرنٹ کو سہنے کی طاقت ہوتی ہے۔"

"سائنس کہتی ہے یا کارل کہتا ہے۔"

"کارل کسی سائنس سے کم ہے کیا ــــ؟" آنکھ مار کر۔

تو یہ ہے کارل ــــ انسانی حلیے میں غیر انسانی مخلوق ــــ

ویلکم ویک پر اس نے فریشر کا کافی بھرتہ بنایا تھا ــــ وہ تو سارا سال ویلکم ویک کا انتظار کرتا تھا' فریشر میں تو اس کی جان ہوا کرتی تھی۔ وہ اپنے سارے پرانے اوزار نکال لیا کرتا تھا۔

اکثر سینئرز فریشر کو گائیڈ کرتے ہوئے کاغذ پر یہ بھی لکھ دیتے "اور کارل سے بچ کر۔"

Have a safe welcome week

کارل ویلکم ویک کے پانچ دن نت نئے انداز اپناتا' تاکہ پہلے دن ملنے والے اسے دوسرے دن پہچان نہ سکیں' دوسرے دن ملنے والے اس کے ہاتھوں تیسرے دن بھی الو بن سکیں ــــ وہ داڑھی اور بال بڑھا لیتا' دوسرے دن کٹوا لیتا' تیسرے دن ہرے رنگ کی وگ' چوتھے دن گنجا ــــ ساتھ کان ناک' ٹھوڑی اور بھنوؤں میں بالیاں ــــ پانچویں دن لمبے بال ــــ کارل "Ask me"

جس نے اسٹوڈنٹ کارڈ بنوانے جانا ہے اسے وہ بڑے آرام سے یونی سے باہر کسی بھی دوسری عمارت میں بھیج دیتا ــــ

کئی بے چارے معصوم ایشیائی جو ڈرے ڈرے سے تھے اور اپنی ماما اور پاپا کے ساتھ یونیورسٹی کے گیٹ تک آئے تھے ان کو اس نے باتھ روم میں لاک کر دیا۔

جی اس کے پاس اوزار تھے وہ دروازے کے ہینڈل میں ایک باریک سلاخ اڑا کر اسے جام کر دیتا تھا ــــ ہو گیا لاک ــــ اب یہ اندر والے کی طاقت پر ہے کہ وہ کس زور سے ہینڈل کے ساتھ زور آزمائی کرتا ہے اور کتنی جلدی باہر آتا ہے ــــ

اور ایسے کام وہ بہت احتیاط سے کرتا ــــ اسے بھی یونی میں رہنا تھا ــــ

چند لڑکیوں کو اس نے سائنس لیب میں بند کر دیا تھا ــــ امرحہ کی قسمت اچھی تھی کہ ویلکم ویک پر اس کا ٹکراؤ کارل سے نہیں ہوا تھا ــــ ورنہ تو اس کی سائنس لیب میں ہی موت واقع ہو جاتی ــــ

اور فریشر ویک پر ایک فریشر امرحہ لیب سے مردہ نکلتی ــــ اور مانچسٹر میں اپنی آمد کے چوتھے دن تابوت میں بند ہو کر پاکستان واپس جاتی ــــ اور دادا یہ معلوم نہ کر سکتے کہ پاکستان میں تو سب اس بے چاری بچی کے پیچھے پڑے رہتے تھے' مانچسٹر میں کون اس کے پیچھے پڑ گیا تھا۔

ہر فریشر رو رو کر سکایپ پر اپنے گھر والوں کو ہری وگ' گنجے سر' لمبے بالوں والے Ask me کا قصہ سنا رہا ہوتا ــــ

فریشر کے آتے ہی یونی میں کارل ــــ کارل ہو رہی ہوتی۔

اسٹوڈنٹ یونین کے صدر اور باقی لوگ اسے سنجیدگی سے محتاط رہنے کے لیے کہتے تو وہ بڑی معصومیت سے کہتا۔

"پتا نہیں آپ لوگ کیا کہہ رہے ہیں ــــ کیا میں نے کسی کی جان لے لی ہے۔ یا میں قاتل ہوں۔"

یعنی وہ جان لے گا تو ہی کوئی چھوٹا موٹا جرم مانا جائے گا۔

☼ ☼ ☼

چینی کہتے ہیں۔

"اگر میں ایک سرسبز شاخ سے اپنے دل کو سجاؤں تو کوئی وجہ نہیں کہ ایک خوش گلو پرندہ اس پر آکر نہ بیٹھے۔"

اور ان کا کہنا ہے کہ

"محبت کرنے سے پہلے احترام کرنا سیکھیں۔" اور یہ بھی کہ۔

"ایک بوڑھے کا عشق میں مبتلا ہو جانا خزاں میں پھول کھلنے کے مترادف ہے۔"

اور خزاں میں محبت کا پھول ہی کھلنے کی جرات کرتا ہے۔ بدھا نے سب جانوروں سے کہا کہ نئے سال پر مجھ سے آکر ملو۔ صرف بارہ جانور بدھا سے ملنے آئے اور بدھا نے ان بارہ کے نام ایک ایک سال کر دیا بیل' مرغ' خرگوش' بکری' چیتا' خنزیر' سانپ' ڈریگن' چوہا' گھوڑا' بندر اور کتے کے چینی سالانہ کیلنڈرز ان جانوروں کے ناموں سے ترتیب پاتے ہیں اور چینی اپنے سال کے آغاز سے پہلے پورے جوش و خروش سے اپنے گھروں کو صاف کر کے سجاتے ہیں' نئے کپڑے خاص طور پر سرخ لباس بنواتے ہیں۔ سرخ کاغذوں اور سرخ پارچہ جات پر لکھی روایتی نظموں سے گھر کے دروازوں' دیواروں اور ایسی ہی دوسری جگہوں کو سجاتے ہیں۔

نئے سال کا آغاز ہو رہا ہے ــــ پرانا وقت بیت چکا ہے۔

پرانے وقت کو الوداع کہا جائے گا ــــ نئے وقت کے لیے جشن تیار ہے ــــ بڑے بوڑھے بچوں کو سرخ لفافوں میں ملفوف "لکی منی" (خوش قسمتی کے سکے) دیتے ہیں۔ چینی روایات کہتی ہیں کہ سرخ رنگ آگ کی علامت ہے' جوان کے سیانوں کے بقول بدقسمتی اور بدی کو دور کرتی ہے۔ قدیم وقتوں میں لمبے بانسوں کو جلایا جاتا تھا تاکہ بدی اور بلائیں آگ کو دیکھ کر بھاگ جائیں' شر کو آگ سے دفعان کیا جاتا تھا۔

بدی اور بلائیں ــــ دنیا کی ہر قوم انہیں دفعان کرنے کا چارہ کرتی ہے خیر اور اچھی قسمت ــــ دنیا کی ہر قوم اس کے حصول کے لیے تگ و دو کرتی ہے۔

چینی نیا سال ــــ خاندان کے ملاپ کا تہوار۔

پہلے چاند کی پندرہ کو سرخ چینی ساختہ لالٹینوں کا تہوار منایا جاتا ہے۔ لالٹینیں جن پر' پھول' پودے' پرندے' برجی جانور' تاریخ اور روایتی قدیم تاریخی شخصیات کندہ ہوتی ہیں سے عبادت گاہوں کو سجایا جاتا ہے اور ہاتھوں میں لے کر شام کو چاند کی روشنی میں پریڈ مارچ کیا جاتا ہے' چینی سال ــــ بہار کا آغاز ــــ دعاؤں کے ساتھ ــــ خوشیوں کو لیے ــــ بدی کو دور کرتے ــــ روایات کو زندہ رکھتے ــــ

سرخ سرخ ــــ روشن روشن ــــ منظم اور پُرجوش ــــ سال کے آغاز پر اپنی میزوں کو Dumpling (روایتی چینی کھانا) سے سجاتے ہوئے ــــ دعائیں دیتے ہوئے ــــ چاولوں کے جاروں کو بھرتے ہوئے کہ نئے سال پر چینی چاول کے جار کا خالی رہ جانا بدقسمتی کی علامت سمجھتے ہیں۔

چینی کبھی دوسری اقوام کی مذہبی' روایتی' علاقائی تقریبات کو حقارت سے نہیں دیکھتے ــــ اور اپنے لیے وہ دوسری اقوام سے بھی یہی توقع کرتے ہیں۔

انہیں ابتدائی اسباق میں ہر خاص و عام کے احترام کا سبق پہلے دیا جاتا ہے' اسی لیے یہ ہر ایک کے سامنے تعظیم سے جھکتے نظر آتے ہیں' اور انہوں نے دنیا پر یہ ثابت کر دیا ہے کہ وہ احترام کرنا جانتے ہیں۔

مانچسٹر میں اس سال کی ڈریگن پریڈ (نئے سال کی پریڈ) کے لیے تیاریاں عروج پر تھیں۔ پریڈ اکتیس

جنوری نئے سال کے پہلے دن تھی یہ سال گھوڑے کا سال تھا پچھلا سال سانپ کا سال تھا۔ امرحہ کی چینی کلاس فیلو جی سن (Jee sun) نے سب کلاس فیلوز کو رجسٹریشن کروانے کے لیے کہا تھا۔ وہ امرحہ کے پاس بھی آئی تھی۔

"میں تو جانتی بھی نہیں کہ یہ سب کیا ہوتا ہے میرے لیے تو کھڑے ہو کر دیکھ لینا ہی بہت بڑی دریافت ہوگی کہاں اس میں شرکت کرنا۔"

"پریڈ میں جاؤ گی تو سب جان جاؤ گی۔۔۔ تمہیں زندگی میں کھڑے ہو کر پریڈ دیکھنے کے تو کئی بار مواقع مل جائیں گے شرکت کرنے کے نہیں۔۔۔ اس سال تو نوے ہزار سے زیادہ لوگ شرکت کریں گے۔"

وہ ہنسنے لگی "نہیں! میں نے یہ سب کبھی نہیں کیا۔"

"جو کیا نہیں وہ کرو گی بھی نہیں۔۔۔؛ چینی پاکستانی کو "ناں" نہیں کہتے ایک پاکستانی چینی کو "ناں" کیسے کہہ سکتا ہے۔ غیر چینی لوگ پریڈ میں شرکت کرتے ہیں تو ہمیں اچھا لگتا ہے، ہمیں یقین ہوتا ہے کہ نئے سال کا آغاز ہم نے سب اقوام کی دعاؤں اور محبت سے کیا ہے۔ ہم دونوں تو ایشیائی خطے کے دو اہم دوست بھی ہیں اور ہمسائے بھی۔۔۔ قطار میں تین غیر ملکی کھڑے ہوں تو ہم پہلے پاکستانی کے آگے Bow کرنے کو ترجیح دیتے ہیں۔"

امرحہ متاثر ہو گئی۔۔۔ جی سن ٹھیک کہہ رہی تھی امرحہ کبھی بھی کسی بھی طرح کی مدد کے لیے جی سن کے پاس جاتی وہ فوراً" اس کی مدد کے لیے تیار ہو جاتی تھی۔۔۔ ابتدائی تعارف میں اس نے امرحہ کو گلے لگایا تھا اور دوبار اس کے آگے جھکی تھی۔۔۔ اس نے اسے بتایا کہ اس کے دادا تجارتی غرض سے ایک بار پاکستان گئے تھے اور پہاڑی علاقے میں خوفناک حادثے کا شکار ہو گئے تھے، سردیوں کے دن تھے اتفاق سے دو پٹھان پہاڑی بچوں نے انہیں دیکھ لیا اور ایک بچہ کئی گھنٹے ان کے ساتھ برف میں ان کی ٹوٹی ہوئی ٹانگ کو سہارا دیتے اور انہیں بے ہوش ہونے سے بچانے کی سعی کرتا رہا تاکہ وہ کومہ میں نہ چلے جائیں۔۔۔ کئی گھنٹے بعد دوسرا بچہ مدد لا سکا اور پہاڑی لوگوں نے مل کر چھ مہینے تک ان کی تیمارداری کی۔۔۔ میرے دادا ہر سال نئے سال کی دعاؤں میں ان سب پہاڑی پٹھانوں کو یاد رکھتے ہیں اور ان کے لیے خوشحالی اور خوش قسمتی کی دعائیں کرتے ہیں۔" وہ امرحہ کو پٹھان سمجھتی تھی اس کے نزدیک سب پاکستانی پٹھان ہی تھے۔۔۔ امرحہ کو خوشی تھی کہ پہاڑی پٹھانوں نے اسے مانچسٹر اور اتنی بڑی یونی میں معتبر کر دیا ہے۔

کسی بھی قوم کے ایک فرد کی کی گئی نیکی بلاشبہ ساری قوم کا سر فخر سے بلند کروا دیتی ہے۔

"مجھے ہنسی آئے گی۔" امرحہ کو ابھی بھی تامل تھا۔

"تو ہنستی رہنا، بلکہ چھلانگیں لگانا۔۔۔ کوئی فرق نہیں پڑے گا۔۔۔ روتے بسورتے لوگوں کا وہاں کیا کام۔۔۔ ویسے تم کس جانور کا لباس پہننا پسند کرو گی؟

میں انتظام کر دوں گی۔۔۔ چاہو تو کوئی ماسک نہ پہننا۔۔۔ تم ڈریگن کا بانس بھی پکڑ سکتی ہو لیکن اس کے لیے تمہیں مسلسل حرکت میں رہنا ہوگا، تم تھک جاؤ گی، میں روایتی چینی لباس کمونو پہنوں گی اور میرے ہاتھ میں بڑا سا چینی پنکھا ہوگا میرا میک اپ بہت گہرا ہوگا۔۔۔ چاہو تو تم میرے ساتھ یہ بن سکتی ہو۔۔۔ یا تم Percussion (دو بڑی گول دھاتی پلیٹوں پر مشتمل ساز، دونوں پلیٹوں کو آپس میں ٹکرایا جاتا ہے) بجا سکتی ہو۔۔۔ یا ڈرم۔۔۔ لیکن تمہیں ڈرم بجانے کی پریکٹس نہیں ہوگی۔"

"نہیں، میں کمونو تو نہیں پہن سکتی۔۔۔ گہرا میک اپ تو ہرگز نہیں۔"

"اگر تم شرما رہی ہو تو میرا مشورہ یہ ہے کہ تم ڈریگن کا لباس پہن لو۔۔۔ اسے پہن کر قطعاً" یہ معلوم نہیں ہوگا کہ تم کون ہو لڑکی یا لڑکا۔۔۔ تمہاری مخصوص مشرقی جھجک بھی قائم رہے گی۔۔۔ بھلے سے ماسک کے اندر شرماتی گھبراتی رہنا۔۔۔ ہنستی۔۔۔ قہقہے لگاتی رہنا۔۔۔"

امرحہ دل کھول کر ہنسی "ٹھیک ہے۔۔۔ میں ڈریگن بن جاتی ہوں۔"

"میں وعدہ کرتی ہوں یہ تمہاری زندگی کا یادگار لمحہ ہوگا۔۔۔ تم پر قسمت مہربان ہوگی۔"

امرحہ اور زیادہ مسکرانے لگی۔۔۔ "انتظار رہے گا پھر اس لمحے کا۔۔۔"

٭ ٭ ٭

چینی نئے سال کی رات میں سب مل کر چائنا ٹاؤن گئے۔۔۔ چائنا ٹاؤن کسی بھی ملک یا شہر میں آباد چینیوں کے علاقے کو کہا جاتا ہے جہاں سب چینی ایک مخصوص علاقے میں بڑی تعداد میں رہائش پذیر ہوتے ہیں۔۔۔ چائنا ٹاؤن کی حدود کے آغاز پر سرخ، پیلے، سبز روایتی چینی رنگوں سے سجی بنی چینی طرز تعمیر کا بڑا پھاٹک آتا ہے۔۔۔ جس کے دونوں اطراف جانوروں کے بڑے بڑے مجسمے رکھ دیے گئے تھے۔ سب سے بڑا مجسمہ گھوڑے کا تھا۔ ایک بہت بڑے ڈریگن کو بانسوں کی مدد سے اونچائی پر ٹانگ دیا گیا تھا۔ جا بجا چینی اسٹالز لگے تھے جن پر چین کی روایتی چیزوں کی بھرمار تھی، مانچسٹر کے درختوں کی شاخیں تو پہلے سے ہی سرخ گول چینی ساختہ لالٹینوں سے سجا دی گئی تھیں۔

این، ویرا اور وہ مزے سے مفت چینی کھانے کھاتے رہے۔ تمام اسٹالز پر یا کھانے بہت کم قیمت پر دستیاب تھے یا مفت بانٹے جا رہے تھے۔ امرحہ ایک چینی تحفہ بھی حاصل کرنے میں کامیاب ہو گئی۔ ایک عدد چینی شادی شدہ جوڑا اپنی شادی کی سلور جوبلی پر تحائف تقسیم کر رہا تھا اور مانچسٹر یونی کے اسٹوڈنٹس کا وہاں اتنا رش تھا کہ لگتا تھا سب اسٹوڈنٹس آئندہ زندگی اس ایک تحفے پر گزارنے والے ہیں۔

تحفے میں ایک عدد روایتی سرخ پارچہ تھا جس پر چینی زبان میں نظم لکھی تھی۔ ایک ہاتھ میں پہننے کا چینی طرز کا کنگن تھا اور دو سرخ ربن تھے۔ امرحہ کو دو عدد سرخ ربنوں کی سمجھ نہیں آئی۔۔۔ جب ان میاں بیوی کے اسٹال پر رش ذرا کم ہو گیا اور ان کے سب تحائف تقسیم ہو گئے تو امرحہ ان سے پوچھنے گئی۔

"ایک تمہارے لیے اور ایک تمہارے شوہر کے لیے، جب مجھے انہوں نے۔" چینی خاتون نے اپنے شوہر کی طرف اشارہ کیا "پرپوز کیا تھا تو یہ اتنے غریب تھے کہ ان کے پاس کوئی انگوٹھی نہیں تھی تو انہوں نے ایک اسکول جاتی بچی کے بالوں میں سے ربن کھول کر میری انگلی میں باندھ دیا کہ مجھے کوئی انگوٹھی والا نہ لے اڑے۔"

دونوں میاں بیوی قہقہہ لگا کر ہنسنے لگے۔ امرحہ دیکھ سکتی تھی کہ دونوں نے کس محبت سے اپنی زندگی گزاری ہوگی۔

سرخ ربن امرحہ کی آنکھوں میں بس گئے۔۔۔ آنکھوں کے پاس لا کر وہ انہیں دیکھنے لگی۔۔۔ اسے ایک دم سے ڈر لگنے لگا کہ یہ ربن کہیں کھو نہ جائیں۔ اس نے انہیں اپنے کراس بیگ کی محفوظ جیب میں رکھا۔

پھر ہاتھ کو کراس بیگ پر مضبوطی سے ٹکا لیا اسے لگنے لگا کہ سارے چوروں کی نظر اس کے ان دو عدد ربن پر ہی لگی ہوگی۔

سرخ نظمیہ پارچہ ویرا نے اپنے بال کھول کر سر پر باندھ لیا۔۔۔ اور کنگن این اون نے پہن لیا۔۔۔ امرحہ نے یہ دو چیزیں انہیں خوشی سے دے دی تھیں۔

"لاؤ، وہ ربن بھی میری کلائی پر باندھ دو۔۔۔ ایک تم باندھ لو۔" امرحہ نے ویرا کو نہیں بتایا تھا کہ ربن کے ساتھ کیا کہانی منسلک ہے۔ امرحہ کی جیسے جان ہی نکل گئی۔

"وہ میں پاکستان لے کر جانا چاہتی ہوں۔"

"ربن؟" ویرا حیران ہوئی۔

امرحہ نے سر ہلایا۔

"میں پہن کر تمہیں واپس کر دوں گی۔ اس پر جو ستارے لگے ہیں مجھے وہ اچھے لگے ہیں۔"

"میں نے ابھی ربن نہیں باندھا۔۔۔ میں انہیں ان چھوا رکھنا چاہتی ہوں۔" امرحہ نے ہمت کر کے کہہ دیا۔

"بعض معاملات میں تم بہت عجیب ہو امرحہ!"

"مجھے لگتا ہے میں پوری کی پوری ہی عجیب

ہوں۔" امرحہ کو اپنے عجیب ہونے پر اس رات کوئی شرمندگی نہیں ہوئی اور وہ رین کے معاملے میں اس قدر عجیب ہونے پر خود کو جانچ بھی نہ سکی۔۔۔ وہ خود کو بھی نہ بتا سکی کہ سرخ فیتے یکدم سے اس کے لیے اتنے اہم کیوں ہو گئے تھے۔ اکثر ایسا ہوتا ہے ہم خود سے بھی چھپا کر بہت کچھ کرتے ہیں۔۔۔ خود کو پاگل بناتے ہیں۔۔۔ اور یہ اسی وقت ہوتا ہے جب مستقل قریب میں آپ بہت رونے والے ہوتے ہیں۔۔۔ تب جب آپ کو خبر ہو جاتی ہے کہ آپ نے خود سے کیا چھپا کر کیا کیا۔۔۔

انسان اپنی طرف سے بڑی ترکیبیں بناتا ہے نا۔۔۔ پھر ایک دن سب ترکیبیں اسے ڈس لیتی ہیں۔۔۔ وہ صرف ایک ہی سوال کرتی ہیں "ہمیں کیا سمجھ کر اندھیرے میں رکھا۔"

تینوں ہاتھوں میں ہاتھ دیے چائنا ٹاؤن میں سجے میلے سے لطف اندوز ہو رہی تھیں۔۔۔ سرخ لالٹینوں کے سائے میں کھڑے ہو کر تصویریں بنوا رہی تھیں۔۔۔ سجاوٹ قابل دید تھی۔۔۔ مسکراہٹیں اس سے زیادہ قابل دید تھیں۔

اسٹوڈنٹس کا ہجوم اس سے بڑھ کر۔۔۔

☼ ☼ ☼

"محبت رتن دیپ سے سجی رتھ ہے جس کا سوار ابدیت کی طرف اُڑان بھرتا ہے۔"

"محبت امرت دھارا ——— سے لبالب بھرا "جام محبوب" ہے جو کبھی پیندے سے نہیں لگتا۔"

سب سے زیادہ داستانیں محبت کی لکھی گئی ہیں۔

سب سے زیادہ گیت محبت کے گائے گئے ہیں۔

محبت وہ کمال ہے جو عرش کو فرش کرتا ہے اور فرش کو عرش تک لے جاتا ہے۔ اور زمین پر دو ہی چیزیں ایسی ہیں جن کے لیے جان دی جا سکتی ہے۔

"محبت اور پھر محبت۔۔۔"

محبت ابن عربی کا نظریہ اہلیت ہے جو نادیدہ کو دیدہ بنا سکتی ہے۔

ایسا اسم اعظم جو مجازی کو حقیقی کرتا ہے۔۔۔ حقیقی کو عشق۔۔۔ عشق۔۔۔ عشق۔۔۔ بلاشبہ وہ خط حق جو خود پر منکری حرام رکھتا ہے۔

قالین باف کے فن کا وہ عروج جس کے ریشے ریشے میں عقیدت سربسجود ہوتی ہے سربسجود ہی رہتی ہے۔۔۔ یہی شرط وفا ہے۔

قلندر کا مادیت سے خالی تن۔۔۔ اور عشق حقیقی سے سجا من۔۔۔ "محبت" محرابی پیشانیوں کے محرابی نور سی۔۔۔

توبہ کے آخری مندرجات۔۔۔ قبولیت کے اولین درجات سی۔۔۔ عرش معلی ہلا ڈالنے والی محترم ہستی "ماں" کی دعا سی۔۔۔ بنجر بنجر دھرتی پر پہلی کونپل سی۔۔۔

اور محبت خدا کے رحم سی۔۔۔ اور رحمت سی۔

رات بھر چینی دعائیں مانگتے رہے ہوں گے۔۔۔ کھانے کی میزوں کے گرد خاندان کو اکٹھا کیے۔۔۔ ہاتھ جوڑے۔۔۔ خدا کو یاد کرتے۔۔۔ صحت و تندرستی کی دعائیں کرتے۔۔۔ محبت و احترام کی مدح سرائی کرتے۔۔۔ چینی رات بھر مسکراتے رہے ہوں گے۔۔۔ اگلے دن جشن ہو تو پچھلی رات نیند نہیں آیا کرتی۔۔۔ وہ بھی نہیں سو پائے ہوں گے۔۔۔

مانچسٹر شہر کی اگلے دن بڑی تقریبات میں شمار ہونے والی ڈریگن پریڈ کا آغاز البرٹ اسکوائر سے شام چار بجے ہو چکا تھا۔ پریڈ کا آغاز بڑے بڑے چینی روایتی سرخ اور پیلے ڈرموں اور Percussions (دو گول بڑی دھاتی پلیٹس) کو پُرزور انداز سے بجا کر اور بلند آواز سے نعرہ "بہار کو خوش آمدید۔۔۔ خوش بختی کے لیے تیار ہیں ہم" سے کیا گیا۔

پریڈ کے آگے درمیان اور آخر میں ڈرموں اور Percussions کو مسلسل بجایا جا رہا تھا اور جن کی آوازیں بلاشبہ سریلا سماع باندھ رہی تھیں۔ ایسے لگ رہا تھا جیسے سب جلوس کی صورت نئی زندگی کے سفر پر رواں دواں ہوں۔

پریڈ میں شامل ہزاروں لوگوں نے ہزاروں طرح کے سوانگ رچا رکھے تھے۔ پریڈ میں آگے کئی سو میٹر

لمبے، موٹے ڈریگن کو بانسوں پر اٹھا کر گھمایا، نچایا اور اچھالا جا رہا تھا۔ ڈریگن اتنا بڑا تھا کہ اسے کم سے کم ڈیڑھ سو افراد نے اپنے قد سے اونچا کر کے اٹھا رکھا تھا۔ وہ سب مسلسل اسے قدرتی حرکت میں رکھے ہوئے تھے۔ یوں گمان ہوتا تھا اصل ڈریگن ان کے سروں پر اڑ رہا ہے۔ ڈریگن کے پیچھے اور درمیان میں کئی سو چینی بچوں کا گروپ تھا جو گردن میں ڈرم لٹکائے انہیں ردھم سے بجاتے آہستہ روی سے چل رہے تھے۔ بچوں کے لباس سفید تھے جن پر انہوں نے سرخ رومالوں کو گردن میں ترچھا کر کے باندھ رکھا تھا۔ قریباً" انہی بچوں کی تعداد جتنا ایک اور گروپ ان لڑکیوں کا تھا جو چینی روایتی لباس کمونو پہنے ہوئے تھیں اور ہاتھ میں بہت بڑے سائز کے چینی روایتی پنکھے پکڑ رکھے تھے۔ ان لڑکیوں کا میک اپ بہت گہرا تھا۔ آنکھیں قدرتی آنکھوں سے بہت بڑی بنائی گئی تھیں۔ یہ سب یک زبان دھیمی آواز میں چینی روایتی گانا گا رہی تھیں، ساتھ ہی روایتی رقص پیش کر رہی تھیں۔

ایک گروپ سرخ لباس میں چینی مارشل آرٹ کی عکاسی کر رہا تھا۔ بہت سوں کے ہاتھوں میں چینی ساختہ بڑی بڑی پتنگیں تھیں، جو مختلف جانوروں کی اشکال پر بنی تھیں اور جنہیں فضا میں چھوڑا گیا تھا اور ان کی ڈوروں کو اپنی کلائیوں میں باندھ رکھا تھا۔ بہت سے لوگ الگ الگ گیٹ اپ میں بھی تھے، وہ چین کی تاریخ سے منسلک مختلف شخصیات کا سوانگ رچائے ہوئے تھے۔ ان کے میک اپ اور لباس کمال کے تھے۔

دو، دو کے جوڑے بنے بہت سے کوئی ایک بڑا جانور بنے ہوئے تھے۔ یعنی ایک ہی لباس میں ایک سر تھا اور دوسرا دھڑ۔۔۔ اور یہ دو لوگ ڈریگن، یا گھوڑا یا چیتا بنے مسلسل بھاگتے، گھومتے اور ناچنے میں مصروف تھے۔

ہزاروں افراد کی ڈریگن پریڈ میں ہزاروں سوانگ تھے۔ کوئی خرگوش بنا اچھل رہا تھا، کوئی گھوڑا بنا دوڑ رہا تھا، کوئی بندر کے لباس میں تماشے دکھا رہا تھا اور کوئی چیتا بنا ڈرا رہا ہے۔

سب سوانگ چینی روایات، تاریخ، ان کی معاشرت کے عکاس تھے۔ مشرق میں اگا چین مغرب میں چل پھر دوڑ رہا تھا، حقیقی قوموں کی یہی نشانی ہے، وہ دنیا کے کسی بھی حصے میں ہوں اسی درخت کی شاخیں، تنے اور پتے لگتے ہیں جس درخت کی جڑ ان کی دھرتی میں اگی ہوتی ہے۔"

چند ایک ایسے گروپس تھے جنہوں نے سرخ لباس پہنے تھے اور ہاتھوں میں بڑی بڑی دھاتی پلیٹیں پکڑ رکھی تھیں اور وہ انہیں بجاتے چلے آ رہے تھے۔ پریڈ میں بڑے بڑے جانوروں کے مجسمے تھے جنہیں بانسوں کے ذریعے اٹھایا گیا تھا۔ یہ سال گھوڑے کا سال تھا اس لیے گھوڑے کے مجسمے زیادہ تھے۔ ایک بڑا اور اونچا گھوڑا پریڈ کے آگے اور پیچھے چل رہا تھا۔

غرض ہر طرف سوانگ تھے۔۔۔ رنگ تھے۔۔۔ لوگ تھے۔۔۔ چین تھا۔۔۔ تاریخ تھی۔۔۔ بہار تھی۔۔۔ نیا سال تھا۔

سرخ اور پیلا رنگ چھایا ہوا تھا۔

ڈرموں کی تھاپ کمال کی تھی۔

سارا مانچسٹر امڈ آیا تھا پریڈ دیکھنے کے لیے۔۔۔ آس پاس کے شہروں سے بھی لوگ خاص پریڈ دیکھنے کے لیے آئے تھے۔ سڑک کے دونوں اطراف کھڑے افراد کا شوق دیدنی تھا۔ وہ مانچسٹر کی تاریخ میں ہونے والی شاندار پریڈوں میں سے ایک کو دیکھ رہے تھے۔

امرحہ ڈریگن کے لباس میں تھی ویرا اور این اون بھی ساتھ تھیں۔ ان سب نے ڈریگن کا سوانگ رچایا تھا اور وہ گھوڑوں، مرغوں، خرگوشوں، سانپوں، بندروں اور باقی جانوروں کے ساتھ چل رہی تھیں۔

جب امرحہ ڈریگن بنی تو ہنستے ہنستے دہری ہو گئی اور اس نے پریڈ کے ساتھ چلنے سے انکار کر دیا۔۔۔ پھر اس نے محسوس کیا کہ جی سن ٹھیک کہہ رہی تھی وہ اپنے بڑے اور چوڑے ڈریگن ماسک کے اندر جتنا جی چاہے ہنس سکتی ہے۔۔۔ شرما سکتی ہے۔۔۔ جھینپ سکتی ہے۔۔۔ وہ سراپا ڈریگن کے موٹے لباس میں تھی۔۔۔ باہر سب کو ایک ڈریگن نظر آتا تھا امرحہ نہیں۔۔۔

جیسا کہ اس نے ویرا کو دیکھا تو اسے بالکل اندازہ نہیں ہوا کہ وہ ویرا ہے۔۔۔ یقیناً" اس کے ڈریگن کو دیکھ کر بھی نہیں بوجھا جا سکتا تھا کہ اس کے اندر امرحہ ہے۔

سڑکوں سے سست روی سے گزرتے چائنا ٹاؤن کی طرف جاتے مختلف جگہوں پر ان پر چوکور رنگ برنگی جھنڈیاں برسائی گئیں۔ جنہیں مشین کے ذریعے فضا میں چھوڑا جاتا اور فضا کئی میٹر بلندی تک ایسے رنگ برنگی ہو جاتی جیسے تتلیوں کے قافلے ان پر ٹوٹ پڑے ہوں۔۔۔

امرحہ نے اب کھل کر مسکرانا شروع کر دیا تھا' وہ ڈریگن بنی ہاتھ ہلا ہلا کر بچوں کو اپنی طرف متوجہ کر رہی تھی۔ اسے مزا آ رہا تھا۔۔۔ اسے سب بہت اچھا لگ رہا تھا۔ جہاں جہاں ان پر رنگ برنگی جھنڈیاں برسائی گئی تھیں وہاں وہاں امرحہ کو لگا تھا یہ سب اس کے لیے کیا جا رہا ہے۔۔۔

لاہور میں چھپ چھپ کر رونے والی لڑکی کے لیے

ایک منحوس مان لیے گئے انسان کے لیے۔۔۔

امرحہ افسوس کر رہی تھی کہ وہ کیوں روتی رہی تھی۔۔۔ زندگی میں آپ نئے لوگوں' نئی خوشیوں' نئے جشنوں سے روشناس ہوتے ہیں تو ماضی کے دکھ بے معنی اور چھوٹے لگنے لگتے ہیں۔۔۔ اپنی بے وقوفی پر ماتم کرنے کو جی چاہتا ہے کہ کیا نادانی کرتے رہے ہیں۔۔۔ زندگی میں دکھ اور سکھ دونوں ہوتے ہیں۔۔۔ بس انہیں کشید کرنا پڑتا ہے۔۔۔

پاکستان سے جو لوگ' تعلیم' روزگار کے سلسلے میں یورپ آتے ہیں' وہ یہ ضرور سوچتے ہیں کہ انہوں نے اپنی زندگیوں کو ایسا پُر رونق اور فعال کیوں نہ بنایا۔۔۔ شادی ہو کر جانے والی خواتین یہ ضرور سوچتی ہیں کہ اف کیا ٹی وی دیکھ دیکھ' خریداری کر کر کے اپنی زندگی برباد کرتے رہے پاکستان میں۔۔۔

تو نیا ماحول آپ کو نئے اسباق ضرور پڑھاتا ہے۔۔۔ کچھ اچھے کچھ برے۔۔۔ کچھ آپ کی مرضی سے۔۔۔ کچھ زبردستی۔

اسباق سے گھبرانا نہیں چاہیے۔ یہ کتنے بھی تلخ ہوں حکیم لقمان کی حکمت لیے ہوتے ہیں۔۔۔ بلا معاوضہ حکمت دے کر جاتے ہیں۔

تو اب رنگ تھے۔۔۔ جشن تھا۔۔۔ لوگ تھے۔۔۔ اور قہقہے تھے' موسم نم نم تھا۔۔۔ جنوری کا آخری دن تھا اور چینیوں کے لیے سال کا پہلا دن۔۔۔ اس بات کی علامت کہ جہاں کچھ ختم ہو رہا ہوتا ہے ٹھیک وہیں سے کچھ اور شروع ہو رہا ہوتا ہے۔

نظام قدرت اس جنم مرگ۔۔۔ مرگ جنم کا نام ہے۔

شام گہری ہو چکی تھی۔۔۔ وہ ڈیڑھ گھنٹے سے چل رہے تھے' لیکن تھکن نے آج ان سے دوستی کر لی تھی' وہ پھولوں سے لدی دور سے ہی ہاتھ ہلا رہی تھی۔ وہ چائنا ٹاؤن کے قریب پہنچ رہے تھے۔۔۔ دور سے پریڈ کے استقبال کے لیے بجائے جانے والے ڈرموں اور دوسرے سازوں کی آوازیں آ رہی تھیں۔۔۔

"امرحہ!" ڈرموں کی پُر زور تھاپ اور دھاتی پلیٹوں کی گونج میں یہ نام اس کے قریب میٹھے سُر سنگیت لیے گونجا۔

اس کے قریب ہی ایک اور ڈریگن کھڑا تھا۔۔۔ وہ قد میں اس سے اونچا تھا۔۔۔ ڈریگن نے ماسک اتارا۔۔۔ اور مسکرایا۔۔۔ وہ عالیان تھا۔

ایک لڑکی ہے امرحہ۔۔۔

شہر روشن۔۔۔

شہر قلم کار۔۔۔

شہر بے مثال لاہور سے۔۔۔

ایک لڑکا ہے عالیان۔۔۔

شہر جمال۔۔۔

شہر افکار۔۔۔

شہر لازوال مانچسٹر سے۔۔۔

نئے سال کے پہلے دن۔۔۔ بہار کے پہلے دن۔۔۔ شہر بے مثال۔۔۔ شہر لازوال کے پاس ساتھ ساتھ کھڑے ہیں۔۔۔

اور ایک محبت ہے

جہاں بے مثال۔۔۔

جہان لازوال۔۔۔

جہان جاوداں۔۔۔ جاوداں۔۔۔ جاوداں سے۔۔۔

امرحہ کو بالکل معلوم نہیں تھا کہ وہ بھی پریڈ میں شامل ہے۔ اتنے ہزاروں لوگوں میں وہ چاہتی بھی تو معلوم نہیں کر سکتی تھی۔ اسے صرف اپنے کلاس فیلوز کا ہی معلوم تھا۔ عالیان کو دیکھ کر لگ رہا تھا کہ جیسے وہ آخری وقت میں کسی طرح سے ڈریگن کا لباس حاصل کرنے میں کامیاب ہوا تھا اور افراتفری میں پریڈ میں شامل ہوا اور اسے تلاش کرتا رہا ہے۔

"داد دو مجھے۔۔۔ میں نے تمہیں اتنے سارے جانوروں اور ماسکوں میں سے پہچان لیا۔"

"داد دیتی ہوں تمہیں۔" اتنے سارے ہزاروں لوگوں میں سے جو اپنی شکل اور وضع قطع چھپائے ہوئے تھے کسی ایک کو ڈھونڈ نکالنا قابل داد تھا۔ دو ڈھائی سو کے قریب تو صرف امرحہ جیسے ڈریگن ہی تھے۔

"کتنی زبردست پریڈ ہے نا یہ امرحہ۔" وہ اس کے ساتھ ساتھ چلنے لگا۔ ڈریگن کا سر اتار کر اس نے ہاتھ میں پکڑ رکھا تھا تاکہ اس کی آواز آسانی سے سنی جا سکے۔ امرحہ کو وہ معمول سے زیادہ خوش لگا۔

"امرحہ! مجھے ایسے جشن' ایسے تہوار' جب سب خوش ہوں' گا رہے ہوں' مسکرا رہے ہوں بہت اچھے لگتے ہیں۔" اس نے سڑک کے کنارے کھڑے پریڈ کو دلچسپی' شوق' جوش و خوشی سے دیکھتے ایک چھوٹے بچے کے گال پر نرمی سے چٹکی بھرتے ہوئے کہا۔ پھر اس نے اسی بچے کے ساتھ کھڑے دوسرے بچے کے بالوں میں محبت اور لگاوٹ سے ہاتھ پھیرا۔

اس کے انداز بتا رہے تھے کہ وہ غیر معمولی پُر جوش اور خوش ہے۔

"تمہیں بھی پسند ہے یہ سب؟" اس نے اس کے سر کے پاس سر جھکا کر کہا۔

"ہاں! مسکراہٹیں کسے اچھی نہیں لگتیں؟" امرحہ کو چلا کر بتانا پڑا۔۔۔ عالیان نے کان کو اس کے ماسک کے قریب جھکا دیا۔۔۔ اس نے ایسا خوشی سے کیا۔۔۔ امرحہ شہرزاد بنی اسے ہزاروں راتوں پر محیط الف لیلیٰ سناتی تو شاید وہ خوشی سے سر کو ایسے ہی جھکائے رکھتا۔۔۔ سر نہ اٹھاتا۔

"ہاں! لیکن کبھی کبھی تو ان سب کے ساتھ بھی مسکراہٹیں اچھی نہیں لگتیں۔" اس نے آس پاس کے سارے ماحول کی طرف اشارہ کر کے کہا۔

"یہ تو کچھ ہو جانے سے سب اچھا اچھا لگتا ہے۔"

ایک بچہ جو اپنے باپ کے کندھوں پر سوار تھا اور تالیاں بجا رہا تھا کہ اس کے گال پر نرمی سے چٹکی بھر کر کہا۔ بچہ کھلکھلا اٹھا اور اپنے باپ کے بالوں کو شرارت سے مٹھیوں میں جکڑ لیا۔

امرحہ نے ماسک اتار دیا۔۔۔ اس سے ٹھیک سے عالیان کی آواز نہیں سنی جا رہی تھی۔

"کیا ہونے سے اچھا لگتا ہے؟" امرحہ اس کی بات ٹھیک سے سن نہیں سکی تھی۔ ہجوم کے شور کی وجہ سے اسے چلا کر پوچھنا پڑا۔۔۔

عالیان نے ذرا رک کر اس کی طرف دیکھا۔۔۔ رک گیا۔۔۔ روک دیا گیا۔۔۔ شاید وہ فیصلہ کر رہا تھا۔

"محبت کے ہو جانے سے۔۔۔" اس نے بلاوجہ ہی چلا کر کہا جبکہ امرحہ اپنا ماسک اتار چکی تھی چلانے کی ضرورت نہیں تھی۔۔۔ یقیناً" وہ ڈریگن پریڈ میں شامل ایک ایک انسان کو بھی سنانا چاہ رہا تھا۔۔۔ سڑک کے اطراف میں کھڑے' مردوں' عورتوں' بڑے بوڑھوں اور بچوں کو بھی۔۔۔ سارے مانچسٹر کو۔۔۔ ساری دنیا کو اس کے ہونٹوں سے نکلے الفاظ کی گونج یقیناً" چائنا ٹاؤن کی محراب کے پاس تیس چالیس بڑے بڑے ڈرموں کو اپنے سامنے رکھے سرخ لباسوں میں ملبوس پیلی پٹیاں سر پر باندھے چینیوں تک بھی گئی ہو گی۔۔۔ انہوں نے لفظ "محبت" کی گونج کو پا کر۔۔۔ اسے اپنے اندر اتار کر بھرپور جوش سے۔۔۔ عقیدت و احترام سے۔۔۔ دونوں ہاتھوں میں پکڑی ڈرم اسٹکس کو سر سے اوپر اٹھا کر سرخ ڈرموں کی پیلی زمین پر دے مارا۔

محبت کے ساز کی پہلی گونج گونجی۔۔۔

مشرق نے مغرب میں آکر میلہ سجادیا۔

استقبال کا آغاز ہوا۔۔۔ خوش آمدید۔۔۔ بہار کو گلے لگانے کے لیے ہم بے تاب ہیں۔ بہار کی آمد آمد ہے ۔۔۔ خزاں کو رخصت ہو جانا چاہیے۔

آؤ لفظ محبت سے ابتدا کریں۔۔۔ آؤ اس کی انتہا کریں۔۔۔ رجوم (شہاب ثاقب) کا ایک طویل قافلہ رقص کناں گہری ہو چکی شام میں رک ابر (بادل کی سیاہ دھاری) سے ہوتا ہوا عالیان اور امرحہ کے سامنے سے گزرا۔۔۔

وہ اباک (مبہوت) ابابیل تھی وہ جہاں کی تہاں کھڑی تھی۔

"میرا دل چاہتا ہے میری شادی ایسے ہی ہو۔" اس کی بھوری آنکھوں میں کئی خوش کن چمک دار رنگوں کی دھاریاں تلاطم مچانے لگیں۔

"جانوروں کی طرح۔۔۔" امرحہ نے دوبارہ غلطی نہیں کی عالیان کی طرف دیکھنے کی نہیں۔" وہ ہنسا۔

"ایسے پریڈ کی صورت۔۔۔ اتنے ہی لوگوں اور ایسے ہی سازوں کے ساتھ۔"

وہ برطانیہ کا شہری تھا نا۔۔۔ تو یہ خواہش کیوں نہ رکھتا کہ اس کی شادی بھی شاہی شادی جیسی ہو۔۔۔ پریڈ کی صورت بارات جائے۔۔۔ بگھی میں بٹھائے اور اپنی دلہن کو واپس لائے۔۔۔ اور آس پاس کھڑا ہجوم ان پر مسکراہٹوں اور دعاؤں کے ساتھ پھولوں کی بارش کر دے۔

وہ اور اس کی دلہن ہاتھ ہلا ہلا کر سب کی مسکراہٹوں کا جواب دیتے ہوں۔ دنیا بھر میں شاہی خاندان کی شادیاں دیکھنے والے زندگی میں کم سے کم ایک بار یہ خواب ضرور دیکھتے ہیں کہ ان کی شادی بھی پرنس چارلس، پرنس ولیم کی طرح ہو۔۔۔ وہ تو پھر برطانیہ کا شہری تھا۔ اس نے یہ خواب کم سے کم سو بار تو ضرور ہی دیکھا ہو گا۔

"اچھا خواب۔۔۔ دیکھ لینا چاہیے۔۔۔"

"اگلے سال چینی نئے سال پر تم اپنی یہ حسرت پوری کرلینا۔"

امرحہ نے اسے اچھا مشورہ دیا تھا۔۔۔ ہاں یہ اچھا مشورہ ہی تھا بے شک۔۔۔ رجوم کا ایک اور قافلہ اس بار صرف عالیان کی آنکھوں کے آگے سے گزرا اور اس بار وہ ان بھوری آنکھوں میں ہی ٹھہر گیا۔۔۔ وہ ایک لحظے کے لیے سوچ کا شکار ہوئیں پھر انہوں نے جھٹ قافلہ رجوم کی باگیں اپنے ہاتھوں میں تھام لیں

فیصلہ ہو چکا تھا۔

وہ امرحہ کو ساری روشنیاں اپنے اندر سموئے دیکھ رہا تھا۔

ایران میں زریور جھیل کا کنارا ہے۔

ایک خسرو کمالی ہے۔۔۔ ایک اس کا رباب ہے۔

اور اس کے ہونٹوں پر امیر خسرو کی رباعی کی صورت ہے۔

از آمدنت اگر خبری دانستم
(اگر تیرے آنے کی خبر مجھے ملے)
پیش قدمت کوچہ را گل می کنستم
(میں تیرے قدموں سے پہلے گلی میں پھول بچھاؤں)
گل می کنشم گل گلاب می کنستم
(پھول بچھاؤں گلاب کے پھول بچھاؤں)
خاک قدمت یدی دم وار دانستم
(تیرے قدموں کی خاک پر اپنا آپ وار دوں)
یارم۔۔۔ یارم۔۔۔ یارم۔۔۔
(میرے دوست، میرے یار۔۔۔ میرے محبوب)

جھیل کی لہریں رقص کرنے لگی ہیں، وہ خسرو کمالی اور اس کے رباب پر فدا ہیں، وہ اس کے ہونٹوں سے نکلتے گیت پر نثار ہو ہو جاتی ہیں۔۔۔ پرندے خسرو کمالی کے سر پر گول گول گھومتے جاتے ہیں۔۔۔ وہ اس گیت پر قربان ہو ہو جاتے ہیں۔

خسرو کمالی پیشانی پر گلابی رومال باندھے اس کنارے کی طرف دیکھتا جاتا ہے جہاں سے زہرہ آفندی کو آنا ہے۔

وہ آئے گی، ضرور آئے گی، اس کا رباب دعا گو ہے،

اس کا گیت سر بسجود ہے

پیمانہ بدہ۔۔۔ پیمانہ بدہ
(جام دے۔۔۔ جام دے)
پیمانہ بدہ کہ خمار استم
(ایسا جام دے کہ مجھے خمار آجائے)
من عاشق چشم مست یار استم
(میں یار کی مست آنکھوں کا عاشق ہوں)
من عاشق مست یار استم
(میں یار کی مست آنکھوں کا عاشق ہوں)
بدہ بدہ۔۔۔
(دے۔۔۔ دے)
بدہ بدہ۔۔۔
(دے۔۔۔ دے)

وقت نے اپنے لبوں پر پریت بھری مسکراہٹ سجائی۔۔۔

رقص کناں لہروں نے خسرو کمالی کے سروں کو چوما۔

ہوا نے رک جانا ضروری جانا۔۔۔ خسرو کمالی کے لیے۔۔۔ اس کی زہرہ آفندی کے لیے۔

گل می کنشم گل گلاب می کنشم
یارم۔۔۔ یارم
خاک قدمت یدی دم وار دانستم
یارم۔۔۔ یارم

پروالوں نے کوک دی۔

زریور جھیل نے پانی کی بوندوں کو تاروں کی مانند جگمگالیا۔۔۔

رباب نے مناجات میں سوز و درد پیدا کیا۔

اور خسرو کمالی نے آواز کو نرمی سے بلند۔۔۔ بلند اور بلند کیا۔

"یارم۔۔۔ یارم۔۔۔ یارم۔" صدائیں ملک تک جا پہنچیں زہرہ آفندی کا دیا گلابی رومال جھوم جھوم لہرایا۔

"ٹھیک ہے مجھے منظور ہے۔۔۔ ہم اگلے سال اسی دن شادی کرلیں گے۔" ہاتھ میں پکڑا ڈریگن ماسک امرحہ کے ہاتھ سے پھسل کر گر گیا، جسے اٹھانے کے لیے وہ قطعاً "نہیں جھجکی۔۔۔ اسے اٹھانے کے لیے وہ پہلے سے ہی جھک چکا تھا۔

"ہم۔۔۔" رنگ ریز نے سارے رنگ اس پر اچھال دیے، خاص کر دیا! لیکن پھر بھی وہ بے رنگ ہی کھڑی رہی۔۔۔ وہ سفید دھرتی نہیں تھی جسے من پسند رنگوں سے رنگ دیا جاتا۔

"اس نے کہا ہم۔۔۔" کشمیر کی کلی افق نے دھاتی پلیٹیں بجاتے ہوئے فرزام کے قریب ہو کر سرگوشی کی۔

"ہاں میں نے سنا۔۔۔ اس نے کہا ہم۔" فرزام نے ڈرم بجاتے ہوئے کہا۔

"اور وہ اس کے آگے ماسک اٹھانے کے بہانے جھک بھی گیا۔" افق شرارت سے مسکرائی۔

رنگ برنگی جھنڈیوں کی بوچھاڑ فضا میں چھوڑی گئی۔

خوش آمدیدی کا شور بلند ہوا۔

دھاتی پلیٹس ایک ساتھ کئی سو ہاتھوں میں گونجیں۔

ڈرموں پر سازندوں نے گول گول گھوم کر انت مچا دی۔

چینی رقصاؤں نے سرخ لباسوں میں خود کو فضا میں اچھالا اور چینی رقص کی ابتدا کی۔

اس نے کہا "ہم" تو اب تو ابتدا ہو گئی۔

ہجوم نے پُرجوش نعرے لگائے۔۔۔ بہار کی آمد کے جشن کو انہوں نے یادگار بنا دیا تھا۔۔۔ فضا مشکبار ہو چکی تھی محبت سے مشکبار پری یہاں بھی آچکی تھی۔۔۔ فرزام اور افق کے بلاوے پر۔۔۔ امرحہ اور عالیان کے لیے۔۔۔ اس کے پیروں میں گرے ماسک کو اٹھا کر وہ اسے واپس دے رہا تھا۔۔۔ پریڈ آگے جا رہی تھی۔۔۔ وہ دونوں ایک ہی جگہ کھڑے تھے۔

"تم نے سنا امرحہ! میں نے کیا کہا؟" اتنی پیاری بات پر اس کے لیے ایک مسکراہٹ تو بنتی تھی۔۔۔ وہ مسکراہٹ اسے نہیں دی گئی تھی۔۔۔

"مجھ سے شادی کرو گی امرحہ۔۔۔؟" لیکن اس سے

فرق نہیں پڑتا۔ میں تو تم سے ہی شادی کروں گا۔ تم سوچنے کے لیے وقت لے سکتی ہو لیکن اس سے بھی فرق نہیں پڑے گا۔ میں سارا مانچسٹر اکٹھا کر ڈالوں گا۔ اپنے کمرے کی کھڑکی کے باہر جب تم سارے مانچسٹر کو کھڑا دیکھو گی تو تمہیں "ہاں" کا بورڈ اٹھا کر سب کو دکھانا ہی پڑے گا۔"

وہ اپنی رو میں بول رہا تھا۔ وہ عالیان تھا "ہاں" کے بل بورڈ پر اس کا حق تھا کیونکہ وہ سارے مانچسٹر کو اکٹھا کرلانے کی صلاحیت رکھتا تھا۔

"میں۔ میری منگنی ہو چکی ہے۔ پاکستان میں میری واپسی کا انتظار کیا جا رہا ہے۔ میری شادی ہونی۔"

اٹک اٹک کر وہ اتنا ہی کہہ سکی زجوم کے سب قافلوں نے اپنی باگیں عالیان کے ہاتھوں سے چھڑوا لیں۔

"خسرو کمالی کے رباب کی تان ٹوٹی۔ اس کی مناجات سہم گئیں۔"

"رتن دیپ سے بجی رتھ اڑان بھرتی منہ کے بل پاتال کی طرف لپکی۔"

"قالین باف کے حقیقی پارچے میں آگ بھڑکی۔"

سڑک کے کنارے پریڈ دیکھتی خاتون کے گود کے بچے نے چلا کر رونا شروع کر دیا۔ چینیوں کا ماننا ہے کہ سال کے پہلے دن بچوں کا رونا نحس ہوتا ہے۔

چینی عورت سہم سی گئی اور اس نے شدومد سے بچے کو چپ کروانا شروع کر دیا۔ لیکن بچہ اور۔ اور رونے لگا۔ وہ روتا ہی جا رہا تھا۔ یہ کیا۔ یہ کیسے۔ ابھی تو وہ قلقاریاں مار رہا تھا۔ اس نے تالی بھی بجائی ہو گی۔ بھانت بھانت کے جانوروں کو دیکھ کر وہ کیسے محفوظ ہوا ہو گا۔ چینی رقصاؤں کی طرح وہ بھی ناچنا چاہتا ہو گا۔ اس نے اپنی ماں سے ڈرم بجانے کی فرمائش بھی کی ہو گی۔

پھر۔ یہ سب کر کے بھی۔ اب وہ رونے لگا۔ وہ کیوں رونے لگا؟

اور ایک گیت تھا۔

خسرو کمالی کا۔

عالیان مارگریٹ کا۔

لفظ لفظ ترانہ۔ لفظ لفظ مرثیہ۔

اور ایک ساز رباب تھا۔

زریو جھیل کنارے بجتا ہوا۔

ڈریگن پریڈ میں گونجتا ہوا۔

پھر جھیل کے پیندے میں گونگا پڑا ہوا۔

"امرحہ!" بھوری آنکھیں سیاہ پڑنے لگیں۔ اس نے امرحہ کو ایسے دیکھا جیسے وہ اسے کوئی دھوکا دے رہی ہو اور وہ جانچ رہا ہو کہ اسے دھوکا کیوں دیا جا رہا ہے۔

"تم۔ یہ سب کیا؟" اسے سمجھ نہیں آئی کہ سوال کو کن الفاظ سے ترتیب دے کہ من پسند جواب پا سکے۔ "بھلا ایسا بھی ہوتا ہے کبھی؟"

"ہمارے یہاں ایسے ہی ہوتا ہے۔ میں بہت خوش ہوں۔ تم نے ایسا کیسے سوچ لیا۔ ہم تو دوست ہیں نا۔ لیکن پلیز تم دوبارہ ایسا کچھ نہ کہنا۔" جلدی سے کہہ کر اس نے ماسک پہن لیا اور پریڈ کے ساتھ آگے بڑھنے لگی۔

اور پھر ساری پریڈ آگے بڑھنے لگی۔ ساری دنیا۔ ساری کائنات۔ صرف ایک وجود کھڑا تھا۔ ساکت تھا۔ پتھر کا ہو چکا تھا۔

وہ عالیان مارگریٹ کے علاوہ کوئی نہ تھا۔

جو سارے مانچسٹر کو اکٹھا کر کے اس کی کھڑکی تک لے جانے والا تھا وہ سارے مانچسٹر میں اب خود کو ڈھونڈ ڈھونڈ اکٹھا کرتا پھرے گا۔

چینی ماں روتے بچے کو چپ کروانے میں ناکام ہو چکی تھی۔ اس کی شکل گہرے سایوں کی زد میں تھی۔ وہ اپنے عقیدوں پر پختہ یقین رکھنے والی لگتی تھی۔ اور اسی لیے پریڈ میں اس کی ساری دلچسپی ختم ہو چکی تھی۔ اور وہ زیر لب دعائیں کر رہی تھی کہ نئے سال میں نحوست اور بلائیں اس سے دور رہیں۔ لیکن بچہ چپ ہی نہیں ہو رہا تھا۔

پریڈ چائنا ٹاؤن کی محراب کے اندر داخل ہو رہی تھی۔

ڈرموں کی تھاپ اب کان کے پردے پھاڑ رہی

تھی۔

عالیان کا دم گھٹ رہا تھا پھر بھی اس نے ڈریگن ماسک پہن لیا۔

اور پہلے آہستہ روی سے پھر تیزی سے پریڈ کو پیٹھ دکھا کر بھاگنے لگا، عجیب انسان تھا وہ دو قدم پر محراب تھی اور وہ وہاں تک نہ جا سکا اور الٹی طرف بھاگنے لگا۔ اس کا ڈریگن ماسک بہت بدہیت لگنے لگا تھا اس بدہیت کو دیکھ کر ڈر قطعاً "نہیں لگ رہا تھا، بس دل مٹھی میں آیا لگتا تھا۔

امرحہ چینی ساختہ محراب کے پار ہو گئی اور پھر اس نے ہمت کر کے گردن موڑ کر دیکھا۔ کوئی بہت بے دردی سے پریڈ کو چیرتا بھاگ رہا تھا جیسے اس کے آس پاس آگ بھڑکتی ہو۔ نہیں جیسے اس کے اندر آگ لگی

اس ڈریگن نے خود کو پریڈ سے الگ کیا۔ اور لوگوں کے ہجوم میں خود کو گم کرتے۔ اپنے ماسک کے اندر ہی خود کو بلک بلک کر رونے دیا۔

امرحہ نے خود کو لوگوں کی بھیڑ میں گم کر دیا۔ وہ ابھی ماسک اتارنے کی غلطی نہیں کر سکتی تھی۔

دو لوگ خود کو بھیڑ میں گم کرنے کی کوشش کرتے رہے۔ بھیڑ سے نکلنے کی بھی۔ الگ ہو جانے کی بھی اور مل جانے کی بھی۔ ایک وقت میں اتنی خواہشیں۔

مانچسٹر کی کشادہ سڑکوں پر پھیلی۔ ہزاروں لوگوں سے اٹی ڈریگن پریڈ ماتمی جلوس کی صورت اختیار کر گئی۔

کیونکہ، کیونکہ ایک ماں کی گود میں بچہ حلق پھاڑ کر رو رہا تھا اور ماں کی ساری کوشش اسے چپ کروانے میں ناکام ہو چکی تھی۔ نئے سال کی آمد اس کے لیے نیک شگون نہیں لائی تھی۔ کیا اب سارا سال اسے رونا پڑے گا۔؟

خیر اور بھلائی اس سے دور رہے گی۔ بلائیں اور شر اس پر حملہ آور ہوں گے۔ کیا خوش قسمتی پر اس کا کوئی حق نہ ہو گا۔

اور کیا۔ اور کیا۔ اس کا دل خون کے آنسو روئے گا۔

خسرو کمالی نے رباب کو زریور میں پھینکا۔ اس نے دیکھ لیا تھا کہ اس طرف زہرہ آفندی کی جگہ ایک شیر کھڑا تھا۔

وہ جانتا تھا اس شیر کا نظر آنا نحس ہے۔ نحس ہے۔

چینی پریڈ کے اس اور اس کنارے بھی ایک شیر اپنا منہ صاف کر رہا تھا۔ کیونکہ وہ شکار کر چکا تھا۔

وہ مشرقی اکھاڑوں کا نگر نگر پایا جانے والا شیر ہے۔

☼ ☼ ☼

بانو قدسیہ کہتی ہیں "محبت مرگ سے پہلے جنم کا نام ہے۔"

اور مجھے ایسا لگتا ہے "محبت جنم سے پہلے مرگ کا نام بھی ہے۔"

یہ پہلے آپ کو مار ڈالتی ہے پھر جی میں آئے تو جنم دے دیتی ہے۔ یہ پہلے انگارہ بنتی ہے۔ جی میں آئے تو۔ تو گلزار۔

یہ "م" کا پرچار کرتی ماہی۔ محبت۔ ہے

یہ "م" سے بھینٹ لیتی۔ محبت۔ مرگ۔ ہے

یہ محال۔

یہ محرق (جلا دینے والی)۔

اور یہ محشر ہے۔

محبت "م" سے۔ یہ امر سے پہلے "مرن" ہے۔

محبت مطوق (قید کی گئی)

محبت مضطر۔

اور یہ محبت مشرک بھی ہے۔

وہ پاکستان ہی رہ چکی ہوتی اور اس پر ایسا برا وقت نہ آیا ہوتا۔ کاش پاکستان میں سب اس کے لیے ٹھیک ہوتا۔ اسے اپنے ماحول سے نکل بھاگنے کی تمنا نہ ہوتی،

۔۔۔ اسے یہاں آنے کی چاہ نہ ہوتی۔۔۔ وہ شخص جو اس کے آگے پیچھے، دائیں بائیں، اندر باہر ہر طرف تھا۔۔۔ جو ہر طرف سے اسے اپنی طرف آتا نظر آتا تھا۔۔۔ وہ شخص اسے ساری زندگی نہ ملا ہوتا۔۔۔

لیکن وقت کی کمان میں اس کی اپنی مرضی کے تیر ہوتے ہیں اور وہ انہیں اپنی مرضی سے تاک کر چھوڑتا ہے۔ وہ ایک آنکھ میچے۔۔۔ سانس گم کیے۔۔۔ نشانہ باندھے بیٹھتا ہے۔۔۔ اپنے من پسند وقت۔۔۔ یہ چھوڑا ۔۔۔ اور شکار چت۔۔۔

اب اس کے پاس اس کے علاوہ کوئی چارہ نہیں تھا کہ وہ خاموش رہے اور سب سے دور بھی۔۔۔ تعلیم مکمل کرے۔۔۔ اور گھر جائے۔۔۔ اور یہی سب ہوتا تھا ۔۔۔ اداسی اور خاموشی کو لیے چند دن گزر گئے۔۔۔

اور بقول بانو قدسیہ "مسکراہٹ سمیت وہ غائب ہونے کا فن جانتا تھا۔"

عالیان فن کار اسے ان چند دنوں میں کہیں نظر نہیں آیا تھا۔۔۔ اس نے اسے ڈھونڈنا نہیں چاہا تھا۔۔۔ پھر بھی۔۔۔ وہ غائب ہونے کا فن سیکھ چکا تھا۔

"تم بہت اداس رہتی ہو؟" ویرا پوچھ رہی تھی وہ سونے کی تیاری کرنے ہی والی تھی بس۔ وہ کھڑکی کے سامنے بیٹھی تھی۔۔۔ سونے کے لیے اٹھ ہی نہیں رہی تھی۔

"نہیں! میں ٹھیک ہوں۔"

"میں نے کب کہا تم ٹھیک نہیں ہو۔۔۔ ریڈ مین، عالیان آیا تھا تمہارے پاس۔۔۔ شاید اس نے کچھ کہا تھا تم سے۔۔۔" ویرا اس کے قریب آکر کھڑی ہو گئی۔

"کیا کہے گا وہ؟" امرحہ نے کتاب جو سامنے رکھی تھی اور پچھلے کئی گھنٹوں سے رکھی تھی کو پڑھنے کی کوشش کی۔

"کچھ بھی کہہ سکتا ہے وہ بہت خوش لگ رہا تھا۔۔۔ بعد میں میں نے اسے بہت اداس ہو کر جاتے دیکھا۔" ویرا واقعی موساد کی خفیہ ایجنٹ تھی کہ اتنے رش میں بھی اس نے یہ سب نوٹ کر لیا تھا۔

امرحہ ویرا کو دیکھنے لگی۔

"تم خاموش کیوں ہو امرحہ۔۔۔؟"

"اس نے کہا وہ مجھ سے شادی کرنا چاہتا ہے۔"

"اوہ۔۔۔ اور تم نے کیا کہا؟" ویرا مسکرائی۔

"میں نے؟" سوال تھا یا اقرار۔

"ہاں ظاہر ہے تم نے۔۔۔ یہ تو خوشی کی بات ہے مجھے لگا، وہ تمہارا اچھا دوست بننا چاہتا ہے لیکن اسے کچھ اور ہی بننا تھا نا۔۔۔" مسکراہٹ گہری ہو گئی۔

"میری منگنی پاکستان میں ہو چکی ہے۔۔۔ میرے جاتے ہی میری شادی ہو جائے گی۔"

"تمہاری منگنی۔۔۔ تمہاری منگنی ہو چکی ہے؟"

"نہیں۔" امرحہ نے اداسی سے کہا۔

"تو تم نے جھوٹ بولا عالیان سے۔۔۔ تم نے ایسا کیوں کیا امرحہ؟"

"جو مجھے مناسب لگا میں نے کہہ دیا۔۔۔ بس۔"

"بس؟" ویرا حیرت سے اسے دیکھنے لگی۔۔۔

"تم عالیان کے لیے ایسے بات کر رہی ہو۔۔۔؟"

"کیسے بات کر رہی ہوں؟"

"اپنا انداز دیکھو امرحہ۔۔۔ اتنی بڑی یونیورسٹی میں وہ تمہارے پاس آتا ہے باتیں کرنے کے لیے۔۔۔ عالیان۔ اپنا انداز دیکھو۔۔۔ جانتی ہو کون ہے عالیان۔۔۔ پروفیسرز کے بعد یونی کی آنکھ کا تارا ہے۔۔۔ جس طرح صبح وہ یونیورسٹی کیمپس کے پاس کھڑا ہو کر تمہارا انتظار کرتا ہے کبھی دیکھا ہے۔۔۔؟"

"میں نے اسے کبھی نہیں کہا انتظار کرنے کے لیے۔"

"ایک صبح، صبح ہائے کہنے کے لیے وہ ہم سے دس پندرہ منٹ پہلے وہاں کھڑا ہوتا ہے۔"

"میں اسے ایسا کرنے کے لیے نہیں کہتی۔"

"تم کم عقل ہو۔۔۔"

"میں کم عقل ہوں۔۔۔"

"تم نا سمجھ ہو بہت۔۔۔"

"میں بہت نا سمجھ ہوں۔"

"شٹ اپ۔۔۔ تم نے اپنی منگنی کا جھوٹ کیوں بولا؟"

"میری مرضی۔۔۔"

ویرا نے تھوڑی دیر اس کی طرف دیکھا۔ "ایک شخص تمہیں پرپوز کر رہا ہے امرحہ! اور تم نے مناسب الفاظ میں اسے ٹال دیا۔۔۔" ویرا تالی مار کر طنزیہ ہنسی۔

امرحہ کے جیسے کسی نے گال پر تھپڑ دے مارا۔۔۔

"تم صاف انکار کر دیتیں اسے۔۔۔ ایسے بہانے سے اس کی انسلٹ کرنے کی کیا ضرورت تھی۔" اس روسی ویرا کو سمجھانا بہت مشکل تھا۔

"بہت عجیب ہو تم۔۔۔ بہت زیادہ۔۔۔ اتنے ذہین انسان کو کیسے تم نے جھوٹ بول کر انکار کر دیا۔"

ویرا تو عالیان کی ذہانت کی فین تھی۔

ویرا نے ایک بار اور تالی بجائی۔۔۔

"ینگ لیڈی آف پاکستان۔۔۔ دی گریٹ لیڈی۔۔۔ ہونہہ۔"

امرحہ کا منہ سرخ ہو گیا وہ رو دینے کو ہو گئی۔

"کیسے نہ کرتی میں انکار۔۔۔ پتا نہیں کون ہے وہ۔۔۔ عیسائی، مسلمان، یا یہودی۔۔۔ مارگریٹ اس کی ماں کا نام ہے تو باپ کا کیا ہو گا۔۔۔ آئزک۔۔۔ داؤد۔۔۔ کیا ہو گا۔"

امرحہ تیز آواز میں چلا اٹھی اسے ویرا کے انداز سے تکلیف پہنچی تھی۔

ویرا خاموش ہو کر اسے دیکھتی رہی۔

"اتنی معمولی سی وجہ کے لیے؟"

"معمولی وجہ نہیں ہے یہ ویرا۔۔۔ نہیں ہے یہ سب معمولی۔۔۔ اس کے باپ کا، خاندان کا کوئی اتا پتا نہیں ہے۔۔۔ وہ کون ہے۔۔۔ وہ خود بھی نہیں جانتا ہو گا۔"

"کیا مطلب ہے تمہارا اس بات سے؟" ویرا کی آواز تیز ہو گئی۔

"یورپ کے آزاد معاشرے کی دین۔۔۔ غیر مذہبی ۔۔۔ غیر اخلاقی اقدام کی پیداوار۔۔۔ معمولی باتیں نہیں ہیں یہ سب۔۔۔ میرے خاندان کے لیے طمانچے جیسی باتیں ہوں گی یہ سب۔۔۔"

"طمانچہ!" ویرا استہزائیہ ہنسی "خاندان۔۔۔ واؤ۔۔۔ تم تو سیدھے سیدھے عالیان کی بے عزتی کر رہی ہو۔"

"یہ سب اتنا آسان نہیں ہے جتنی آسانی سے تم مذاق اڑا رہی ہو۔" امرحہ نے بے بسی سے ویرا کو دیکھا۔

"تمہارے وہاں محبت سب حساب کتاب لگا کر کی جاتی ہے امرحہ؟" ویرا بے حد سنجیدہ ہو چکی تھی۔

امرحہ خاموش رہی، وہ اتنی ذہین کبھی نہیں رہی تھی کہ مدلل انداز سے اس سوال کا مقدمہ لڑ کر جیت سکتی۔

"کیسے تم نے اس کے خاندان، اس کے مذہبی، غیر مذہبی ہونے کا حساب کتاب لگایا اور اسے انکار کر دیا وہ بھی جھوٹ بول کر۔۔۔ بہت ذہین ہو تم۔۔۔ اپنے حاصل جمع کا فائدہ دیکھا۔۔۔ تم نے دیکھا کہ تم اس کے ساتھ نقصان میں رہ رہی ہو تو تم نے جھٹ جھوٹ بول دیا۔۔۔ اور ایسے جھوٹ بولا کہ وہ تمہارا دوست تو رہے لیکن کچھ اور نہ بنے۔۔۔ ایک بار تم نے مجھے کہا تھا کہ میں انسان کم مشین زیادہ ہوں، آج میں تمہیں کہتی ہوں تم انسان کم کیلکولیٹر زیادہ ہو۔۔۔ اس کی ذہانت، اس کی قابلیت گئی بھاڑ میں۔۔۔ وہ کتنا اچھا انسان ہے یہ سب بھی۔۔۔ بس اس کا باپ ہونا چاہیے۔۔۔ اس کا خاندان یورپ میں یہی سب ہے۔۔۔ تو سب کیا ایک دوسرے سے نفرت کرنے لگیں۔۔۔ تمہارا مذہب ایسے لوگوں سے نفرت سکھاتا ہے۔۔۔ تم بہت مذہب کی باتیں کرتی ہو نا۔۔۔ تمہیں چھوٹے کپڑے پہننا پسند نہیں۔۔۔ تمہیں چھوٹا ظرف رکھنا، چھوٹا دل رکھنا پسند ہے۔۔۔ ایسے جھوٹ بولنا۔۔۔ بے عزتی کرنا۔۔۔؟" امرحہ خاموش ویرا کو دیکھ رہی تھی۔۔۔ خاموش۔۔۔

"مان لیا کہ وہ تمہارا ہم مذہب ہے۔۔۔ پھر۔۔۔"

"وہ۔۔۔ مسلمان ہی ہے۔" امرحہ کی کمزور آواز نکلی۔

"گڈ۔۔۔ پھر مسئلہ کیا ہے؟" امرحہ پھر سے خاموش ہو گئی۔

"اوہ۔۔۔ اچھا وہ اکیلا ہے۔ اس کے باپ کا پتا نہیں، وہ ناجائز ہو سکتا ہے اس لیے۔۔۔ اوہ۔۔۔ واؤ۔۔۔ اس کے

ناجائز ہونے سے مسئلہ ہے۔ اگر وہ ناجائز نہ ہوا امرحہ۔۔۔ تو۔۔۔؟"

"تو بھی نہیں۔۔۔ نہیں' وہ مجھے نہیں پسند۔۔۔ میں نے انکار کر دیا۔" امرحہ کو یہ جواب سب سے زیادہ مناسب لگا۔

"شاید تم اسے پسند کرنے لگو؟"

"میں اسے پسند نہیں کر سکتی۔۔۔ وہ میرا اچھا دوست ہے۔۔۔ جیسے تم ہو۔"

"شاید تم اسے پسند کرنے لگو۔" ویرا سنجیدگی اور سختی سے اپنی بات دوہرا رہی تھی "یا شاید تم اسے پسند بھی کرتی ہو لیکن اپنے خاندان کے لیے۔۔۔ اپنے معاشرے' اپنی روایات کے لیے۔۔۔"

"میں اسے کیوں پسند کروں گی۔۔۔ کیوں کروں گی۔۔۔ کون سی خوبی ہے اس میں' اگر وہ قابل ہے تو یونی میں ہزاروں اور بھی ہیں۔۔۔ مجھے اسے ہاں کہنے کے لیے مجبور نہیں کیا جا سکتا۔"

"تم مجھے مطمئن کرو امرحہ۔۔۔ مجھے اس سب کی سمجھ نہیں آ رہی" ویرا جم کر کھڑی ہو گئی۔

"شاید تمہارا خیال ہے کہ اگر وہ مسلمان ہے بھی تو تم جتنا اچھا انسان نہیں ہے۔ وہ تمہاری طرح عبادت نہیں کرتا ہو گا۔۔۔ تمہاری طرح حلال فوڈ کا استعمال نہیں کرتا ہو گا۔۔۔ اسے بنیادی مذہبی تعلیمات کے بارے میں نہیں معلوم ہو گا۔۔۔ اور اگر وہ تمہارے خاندان کے پاس جاتا ہی ہے تمہارا ہاتھ مانگنے تو اسے ان سب باتوں کی وجہ سے رد کیا جا سکتا ہے۔۔۔ ہے نا امرحہ۔۔۔؟"

امرحہ خاموش رہی۔

"جواب دو امرحہ۔۔۔"

"ہاں!" امرحہ چلا اٹھی۔۔۔ "تم ٹھیک کہہ رہی ہو۔۔۔ اتنا آسان نہیں ہے یہ سب۔۔۔ بہت مشکل ہے یہ سب۔۔۔"

"تم لوگ یورپ میں رہنے والوں کے بارے میں یہی سب سوچتے ہو میں جانتی ہوں۔۔۔ تمہیں لگتا ہے اقدار صرف تمہارے مشرقی ملکوں میں ہی ہیں۔۔۔ روایات اور مذہب کی پاسداری بھی۔" ویرا اب باقاعدہ اسے ذلیل کر رہی تھی۔

"اور کیا سچ نہیں ہے یہ۔۔۔ کیا نام ہے عالیان کے فادر کا۔۔۔ اس کا سرنیم مارگریٹ کیوں ہے؟"

"تم اس سے پوچھ لو۔۔۔"

"میں نے اس کی ضرورت نہیں سمجھی۔۔۔ اور تم جاؤ۔۔۔ مجھے نہیں معلوم تھا کہ تم عالیان کی اتنی بڑی حمایتی ہو۔" امرحہ بھڑک اٹھی۔

"اگر تم غور کرو تو میں تم دونوں کی حمایت کر رہی ہوں۔۔۔ لیکن تم لوگ بہت نا سمجھ ہوتے ہو۔۔۔"

"ہم کون؟" امرحہ کی تیوری چڑھ گئی۔

"تمہارے ملک پر طنز نہیں کر رہی امرحہ۔۔۔ تم لوگ یعنی تم جیسے کم عقل لوگ' سطحی لوگ۔۔۔ روایات' معاشرے کے علم بردار۔"

"بس بہت ہو گئی اب جاؤ۔۔۔ میں نے جو کرنا تھا کر لیا۔"

ویرا اسے دیکھ کر رہ گئی۔۔۔ اور چلی گئی۔

کھڑکی میں کھڑی وہ اندھیری رات کے گہرے اندھیروں کو دیکھتی رہی' ویرا سے اس نے جان چھڑا لی تھی اب خود سے کیسے چھڑائے گی۔۔۔ دنیا بھر سے چھپ کر بیٹھا جا سکتا ہے ایک اپنے آپ سے چھپ کر رہنے کی جگہ نہیں ملتی۔۔۔ دنیا بھر سے کیا کچھ نہیں کہہ دیا جاتا' ایک اپنے آپ سے کہنے کے لیے ہی کوئی لفظ نہیں ملتا۔۔۔

تو کیا محبت جنم سے پہلے مرگ نہیں۔۔۔؟

☼ ☼ ☼

ہفتے کی رات ہے۔۔۔ اور یہ ہارٹ راک کیفے کا ڈانس فلور ہے۔ ڈی جے اپنے میوزک کے ساتھ تجربات کرنے سے پہلے ایک خاص ڈسک کو پلے کرنا چاہ رہا ہے۔۔۔ یہ ڈسک اسے بارٹینڈر کارل نے دی ہے۔ کیفے میں یونیورسٹی اسٹوڈنٹس کی بھرمار ہے۔۔۔ خاص کر بزنس اسکول کے اسٹوڈنٹس کی۔۔۔ ڈانس فلور پر ڈانس شروع ہوا ہی جاتا ہے کارل کاک ٹیل بنا رہا ہے۔۔۔ عالیان ابھی ابھی اس کے سامنے رکھی اونچی کرسی پر نیم دلی سے آ کر بیٹھا ہے۔۔۔ اسے کارل نے کچن سے بلایا ہے ڈی جے نے ڈسک پلے کر دی ہے۔

"تمہاری منگنی ہو چکی ہے؟"

"نہیں۔۔۔"

"تم نے جھوٹ بولا عالیان سے۔۔۔؟"

"جو مجھے مناسب لگا میں نے کہہ دیا۔۔۔ کیسے نہ انکار کرتی' پتا نہیں کون ہے۔ وہ' مارگریٹ اس کی ماں کا نام ہے تو باپ کا کیا ہو گا۔۔۔ آئزک۔۔۔ داؤد۔۔۔"

"اتنی معمولی سی وجہ کے لیے۔۔۔؟"

"معمولی وجہ نہیں ہے یہ۔۔۔ میں اسے پسند نہیں کرتی۔۔۔ کون سی خوبی ہے۔ اس میں۔۔۔ مجھے اسے ہاں کہنے کے لیے مجبور نہیں کیا جا سکتا۔۔۔"

"شاید تمہارا خیال ہے کہ وہ مسلمان ہے بھی تو تم جتنا اچھا مسلمان نہیں ہے۔"

"ہاں! تم ٹھیک کہہ رہی ہو۔۔۔ کیا نام ہے عالیان کے' فادر کا۔۔۔ اس کا سرنیم مارگریٹ کیوں ہے۔۔۔"

"وہ ناجائز۔۔۔ ہو سکتا ہے اس لیے بھی؟"

"ہاں! ہاں۔۔۔"

"تمہاری طرح' حلال فوڈ کا استعمال نہیں کرتا ہو گا اس لیے بھی۔۔۔؟"

"ہاں!۔۔۔"

وہاں موجود ایک ایک اسٹوڈنٹ عالیان مارگریٹ کی طرف گردن موڑے دیکھ رہا تھا۔ کارل نے ایک آنکھ دبائی اور منہ بنا کر بھیڑیے کی آواز نکالی' لیکن عالیان نہ وہاں موجود یونیورسٹی کے اسٹوڈنٹس کو دیکھ رہا تھا نہ ہی کارل کو۔۔۔ وہ اپنے جوتوں کی نوک کو گھور رہا تھا' ۔۔۔ اسے آج معلوم ہوا تھا۔۔۔ ایک دم سے کیسے کرسی پر بیٹھے بیٹھے آپ جوتے کی نوک تلے آ جاتے ہیں۔

اس کے منہ پر کبھی کسی نے تھپڑ نہیں مارا تھا اس کے سرخ ہوتے منہ پر آج تھپڑوں کی بوچھاڑ کر دی گئی تھی۔

کاک ٹیل بناتے کارل کے ہاتھ رک گئے۔ عالیان کا رد عمل اس کی توقع کے برخلاف تھا۔۔۔ اس نے اٹھ کر اسے گھونسا نہیں مارا تھا۔ وہ مسلسل اپنے جوتوں کی نوک کو دیکھ رہا تھا۔

اس کھیل کے وہ پکے دشمن تھے۔۔۔ ویسے وہ دوست تھے؟

"عالیان۔۔۔!" کارل نے اسے آواز دی۔

عالیان نے جوتے کی نوک سے نظریں اٹھا کر اسے دیکھا۔

"شکریہ کارل۔۔۔ میں تمہارا یہ احسان تاعمر نہیں بھولوں گا۔" وہ اٹھا اور قدم گھسیٹنے لگا۔

"وہ ناجائز ہو سکتا ہے اس لیے بھی۔"

"ہاں!"

"نہیں' وہ مجھے نہیں پسند۔ کیا نام ہے عالیان کے فادر کا۔"

اس نے کانوں پر ہاتھ رکھ لیے۔۔۔ لیکن پھر بھی وہ بہرا نہیں ہوا۔۔۔ محبت کی زبان اسی وقت تو بولتی ہے' جب اس کے گونگا ہو جانے کی دعا کی جاتی ہے۔ اور محبت کے کان اسی وقت تو سب سننے لگتے ہیں جب ان کے بہرے ہو جانے کی بد دعا کی جاتی ہے۔

اور یہ محرق ہے۔۔۔ محبت۔

کیا نام ہے عالیان کے فادر کا۔۔۔؟ کیا نام ہے۔۔۔ فادر ۔۔۔ اس کا سرنیم مارگریٹ کیوں ہے؟ فادر۔۔۔ فادر۔۔۔

نخستیں لالہ صبح بہارم' پیاپے سوزم از داغے کہ دارم

(میں صبح بہار کا پہلا لالے کا پھول ہوں جو عشق کے داغ سے مسلسل تڑپ رہا ہوں)

محبت جگا جوت ہے جسے مٹھی میں کر کے آنکھوں کے سامنے رکھ لینا آسان نہیں۔۔۔ آنکھیں نہیں چندھیاتیں قسمت چندھیا جاتی ہے۔۔۔ وہ اتنی جلدی کہاں مہربان ہوتی ہے۔۔۔

انسان سب سے زیادہ خواب محبت کے دیکھتا ہے۔

انسان پر سب سے زیادہ خواب محبت کے بھاری پڑتے ہیں۔

انسان کسی بھی مزاج یا نسل سے تعلق رکھتا ہو' محبت کی اتنی سمجھ بوجھ ضرور رکھتا ہے کہ دعا کے لیے

باقاعدہ ہاتھ اٹھائے نہ اٹھائے اندر ہی اندر اتنی آرزو ضرور کرتا ہے کہ کائنات میں چھپا کر رکھی گئی ساری محبت اس کی جھولی میں ڈال دی جائے... کہے نہ کہے پر اتنا ضرور سوچتا ہے کہ محبت کو وہ کچھ بھی کر کے چرا ہی لائے۔

ساری محبت چرا لینے کا خواب عالیان مارگریٹ نے بھی دیکھا تھا... اور یہ خواب اس پر بہت بھاری گزرا تھا... کیونکہ محبت وہ شجر ممنوع بھی تو ہے جو جھولی پھیلوا کر مست مست ناچ نچواتی ہے اور پھر بھی دہن کھول کر ور شہوار کے درشن نہیں کرواتی۔

جھولی پھیلائے رقص یار کے رقاص اپنے پیر جلا بیٹھتے ہیں تب بھی نہیں... بس نہیں۔

وہ اپنا تن من بھسم کر ڈالتے ہیں تب بھی...

"نہیں۔" وہ خود کو گھسیٹ رہا ہے۔ جس برف نے مانچسٹر کو اپنی ہتھیلیوں میں لے رکھا تھا' وہ اسے گرتا دیکھنا نہیں چاہتی تھی... لیکن اسے دیکھنا تھا کہ چلتے چلتے کیسے گرا سا جاتا ہے۔

برف میں ایک قلندری خاصیت بہت کمال کی ہے... یہ گرتی ہے تو شور نہیں مچاتی... گر کر پگھل کر ختم ہو جاتی ہے تو بھی واویلا نہیں کرتی... برف اپنے سینے پر پڑتے گر گر جاتے اس کے قدموں میں یہ خاصیت منتقل کر دینا چاہتی تھی۔

مانچسٹر کی اتنے سالوں دیکھی بھالی سردی میں اب عالیان کا دم گھٹ رہا تھا... اس کی ناک بے حد سرخ ہو چکی تھی... اور آنکھیں بھی سردی سے نہیں صدمے سے... اس کی بھوری بچوں سی چمک لیے آنکھیں بھر آئی تھیں... انسان تھا نا... رونا تو بنتا تھا۔

محبت کا سنہرا خواب جو دیکھ لیا تھا... خواب کے ٹوٹ جانے پر ٹوٹنا تو بنتا تھا۔ آسمان کے سارے ستارے ٹوٹ ٹوٹ کر مانچسٹر کی شاہراہوں پر بکھر رہے تھے... کائناتی محبت پر... کائنات کا ٹوٹ پھوٹ جانا تو بنتا ہے۔

سڑک پر چلتے وہ ایک بند گلی کے کنارے رک گیا۔ جس کے اندر ایک بڑا کوڑا دان رکھا تھا۔ وہ اندھیرے میں کوڑے دان کے پیچھے جا کر دیوار سے ٹک کر کھڑا ہو گیا۔ اسے اپنی پہلی محبت یاد آ رہی تھی۔

"مارگریٹ جوزف... اس کی ماں جو اس کی بھوری آنکھوں کو اپنی نیلی آنکھوں سے گھنٹوں دیکھا کرتی تھی' ... اور جیسے خاموشی کی زبان سے کہتی جاتی "مجھے کیا معلوم تھا یہ آنکھیں مجھے ایسے لے ڈوبیں گی... لیکن میں خوش ہوں کہ یہ مجھے لے ڈوبیں... میں شکر گزار ہوں کہ مجھے یہ آنکھیں عطا کی گئیں۔ میں ان میں اپنی مورت دیکھ سکتی ہوں۔ میں کیسے نہ شکر گزار ہوں۔"

اس کی آنکھیں اس کے لبنانی باپ جیسی تھیں...

وہ مارگریٹ کے مردہ ہوتے وجود میں جان ڈال دینے والی آنکھیں تھیں... وہ انہیں گھنٹوں کیوں نہ دیکھا کرتی۔

وہ اپنی ماں کے ساتھ ایک کمرے کے نسبتاً گندے سے فلیٹ میں رہتا تھا' جس کے ایک کونے میں کچن تھا اور دوسرے کونے میں واش روم۔ بیڈ کمرے کے دروازے کے عین سامنے تھا۔ ایک کھڑکی تھی جس کے آگے ایک کرسی دھری رہتی تھی۔ اس کرسی پر کھڑے ہو کر عالیان کھڑکی سے سر ٹکا کر اپنی ماں کی راہ دیکھا کرتا تھا۔ مارگریٹ کے انتظار میں اس نے اپنی آنکھوں کو بہت تھکایا تھا۔

کمرے میں کچن اور واش روم کی بو ہمہ وقت رچی رہتی تھی لیکن یہ فلیٹ اس وقت مہک اٹھتا جب مارگریٹ آ کر اسے اپنی بانہوں میں بھر لیتی... مارگریٹ جو ایک ہسپتال میں صفائی پر مامور تھی اس کے جسم سے کئی طرح کے کیمیکل کی بو آتی... مگر یہ بو عالیان کے لیے دنیا کی بہترین خوشبوؤں سے بڑھ کر تھی۔

مارگریٹ جوزف مسکرانے کی کوشش کیا کرتی تھی' لیکن وہ ایک بری اداکارہ تھی۔ اس نے زندگی کو زندہ دلی ہمت' جواں مردی سے گزارنے کے کچھ اقوال رٹ رکھے تھے... وہ انہیں ہر روز دہراتی اور مسکرانے کی بھدی اداکاری کرتی اپنے کام پر چلی جاتی۔ مسکرا کر گھر کا دروازہ بند کرتی... کھولتی... روز کی اداکاری... زندگی اقوال پر کامیاب ضرور کی جا سکتی ہے خوش طالع

نہیں...

ایسی زندگی کو سیاہی سے تو بچایا جا سکتا ہے لیکن ست رنگی نہیں رنگا جا سکتا۔ یہ دھنک جلی تو ہو سکتی ہے دھنک ڈھلی نہیں...

یہ اس زمزے کی صورت اختیار کر لیتی ہے جو دل کے کانوں کے پردے پھاڑے ڈالتی ہے۔ ایسی زندگی... زندگی تو نہیں ہوتی... کیونکہ وجود میں دھرا لوتھڑا چت ہو جاتا ہے... یہ لوتھڑا جو دل ہے... اور جس دھوکے باز بزدل کا کوئی علاج نہیں... یہ غداری کرتا ہے... اور اس غداری پر اسے موت کی سزا ملتی ہے۔ تو مارگریٹ اقوال پر زندگی گزارنے کی کوشش کرتی رہی اور لحاف میں منہ دے کر روتی رہی... اس نے زندگی کی ایک فاش غلطی کر ڈالی تھی۔ اس نے ایک مسلمان سے محبت کر لی تھی۔ ایک ایسا لبنانی مسلمان جو وہاں کام کے لیے آیا تھا۔ پونڈز کے لیے... محبت کے لیے نہیں... وہ اس روایت کا پاس دار تھا کہ سفر کے دوران گاڑی کے نئے اور انوکھے اسٹیشنوں پر رک جانے کو دل پر نہیں لینا چاہیے... سفر میں اسٹیشن تو آتے ہی رہتے ہیں... تو کیا سفر کو ہی روک دیا جائے۔ وہ سمجھ دار تھا۔ اس نے سفر کو نہیں روکا۔

نیلی آنکھوں' پری چہروں سے تو دنیا بھری پڑی ہے۔ کس چیز کی کمی ہے اس جہان میں... پھر ایک انسان کے لیے زندگی تباہ کر لینا کہاں کی روایت ہے۔ اگر ہے بھی تو ہم نہیں مانتے ان روایات کو... سب قصے کہانیاں ہیں...

اس کی چھ سالہ زندگی اپنی ماں کی دبی دبی سسکیاں سنتے گزری... وہ سمجھتی تھی وہ سو رہا ہے... پر ایسی آہوں کے سائے تلے سو جانا گناہ کے مترادف ہوتا...

وہ دن بھر کام کرتی۔ رات بھر روتی... ایسی حالت میں وہ زیادہ دیر تک زندہ کیسے رہتی... کیونکر زندہ رہتی... جو انسان کچن میں کام کرتا... بیڈ پر لیٹا' کھڑکی میں کھڑا' دروازے پر نظریں رکھے خود کو پتھرا لے۔ وہ زندہ رہ کر زندہ کیسے ہو سکتا ہے بھلا... ایسے انسان کو تو جلد مر جانا چاہیے... جس کا لوتھڑا دل خون بنانے کے بجائے... خون اگلنے لگے' ایسے لوتھڑے کے مالک کو جلد ہی مر جانا چاہیے۔

جس پہلی تکلیف دہ یاد کو عالیان مارگریٹ کو اپنے دماغ میں زندہ رکھتا تھا' وہ کچھ یوں تھی کہ کمرے کی واحد کھڑکی کے آگے رکھی کرسی پر کھڑا وہ نیچے جھانک کر اپنی ماں کو تلاش رہا تھا۔ نیچے ایک مصروف سڑک تھی جس پر چھوٹی چھوٹی کئی دوکانیں اور اسٹورز واقع تھے۔ مارگریٹ تھکی تھکی اس سڑک پر چلتی اسے نظر آ گئی... وہ اندر آئی اور بیڈ پر بیٹھ کر اسے دیکھنے لگی... پھر چل کر اس کے پاس آئی اور وہی اپنی اداکارانہ مسکراہٹ سے اسے دیکھا اور اس کا ہاتھ پکڑ لیا جبکہ خود وہ کرسی کے پاس گھٹنوں کے بل بیٹھ گئی۔ "تم بہادر ہو نا...؟" مارگریٹ نے ایک اچھی مسکراہٹ سجا کر پوچھا۔

جب عالیان تھوڑا بڑا ہوا تو اس نے کئی سالوں تک خود کو ہڑبڑا کر اٹھتے اور کہتے سنا۔ "نہیں! میں بہادر نہیں ہوں۔"

دو تنہا لوگ جب ایک دوسرے سے یہ پوچھنے کی جرات کرتے ہیں تو حقیقتاً" وہ یہ کہنا چاہ رہے ہوتے ہیں کہ "اب تیار ہو جاؤ... تم بہادر ہو یا نہیں... تمہیں بہادری دکھانی ہوگی' تلخ حقیقتیں تمہاری رسیلی زندگی میں گھلنے کے لیے تیار ہیں... کیا تم بھی تیار ہو؟"

اپنی بھوری آنکھوں سے وہ مارگریٹ کو دیکھنے لگا۔ ہاں کی نا ناں۔

"ماما پاپا کے پاس جا رہی ہیں۔"

مارگریٹ نے اس کے گال پر پیار کیا اور کھڑکی میں جا کر کھڑی ہو گئی... دیکھا۔ وہ ایک بری اداکارہ تھی... زیادہ دیر تک مسکرا نہ سکی... پھر بہت دیر کے بعد وہ وہاں سے ہٹی اور ایک چھوٹے سے بیگ میں اس کے کپڑے رکھنے لگی۔ ایک دوسرے سفری بیگ میں اس نے اپنی ایک جینز اور دو شرٹس رکھیں۔ دونوں بیگ اٹھا کر اور اس کا ہاتھ تھام کر وہ اسے اپنی دوست کے پاس لے آئی اور اس کے گال چوم کر چلی گئی۔

مارگریٹ چلی گئی۔۔۔ اور کتنی ہی صدیوں بعد واپس آئی۔ اتنی صدیوں بعد کہ عالیان نے جان لیا کہ اس کی ماں سوتے، جاگتے، کام کرتے، خاموش بیٹھے، سسکتی کیوں رہتی تھی اور مسکرانے میں وہ اتنی بری اداکارہ کیوں تھی اور یہ بھی کہ اس کی نظریں کن ویرانوں میں بھٹکا کرتی تھیں اور اس کے وجود سے آہیں کیسے اور کیونکر نکلا کرتی تھیں۔ جب وہ آئی تو وہ سوسن آنٹی کے گھر کے پچھواڑے میں ایک طرف بیٹھا کھیلتے بچوں کو دیکھ رہا تھا۔ ان بچوں نے کئی بار اسے کھلانے کی کوشش کی تھی۔۔۔ لیکن وہ اپنی ماں پر ہی گیا تھا۔۔۔ وہ ایک برا کھلاڑی تھا۔۔۔ وہ کھیل کو کھیل نہیں سکتا تھا۔ بیٹھے بیٹھے جیسے اسے خبر سی ہو گئی کہ اس کی ماں کہیں اس کے قریب ہے۔۔۔ وہ گھر کے اندر آیا۔۔۔ دور سے ہی اس نے مارگریٹ جوزف کی ہچکیوں کو سن لیا۔ وہ ساری اداکاری کو بالائے طاق رکھ کر رو رہی تھی۔

"ہاں! وہ مجھے نظر آگیا تھا۔۔۔ وہ مجھے مل گیا تھا۔ تین ہفتے میں اسے پاگلوں کی طرح ڈھونڈتی رہی۔ اس کے دوست نے کہا تھا۔۔۔ مجھے چند ماہ بھی رکنا پڑے تو میں وہیں رکوں۔ وہ وہیں ملے گا۔۔۔ اور وہ مل گیا۔۔۔ اور اس نے۔۔۔ اس نے جیسے مجھے دیکھ کر بھی نہیں دیکھا۔۔۔ وہ قیمتی کپڑے پہنے سڑک پر چل رہا تھا، مجھے ان دیکھا کر کے وہ تیزی سے وہاں سے غائب ہو گیا۔۔۔ میں اس کے پیچھے بھاگی۔۔۔ لیکن اتنی جلدی نجانے وہ کہاں گم ہو گیا تھا۔۔۔ سڑک پر ادھر ادھر بھاگتے میں چلا رہی تھی۔۔۔ اور سوسن! پھر بھاگتے بھاگتے میں نے خود کو گرا لیا۔۔۔ کہ شاید کسی کونے میں خود کو چھپا کر مجھے دیکھتے وہ مجھ پر ترس کھا کر ہی آجائے۔۔۔ میں گری ہی رہی اور روتی ہی رہی لیکن وہ نہیں آیا۔۔۔ نہیں آیا وہ۔۔۔ اگلے دن وہ میرے ہوٹل آیا۔۔۔ دیکھو کتنا آسان تھا اس کے لیے مجھے ڈنمارک میں ڈھونڈ لینا۔۔۔ اور میں اتنے سالوں میں اسے دنیا بھر میں نہ ڈھونڈ سکی۔۔۔ میں بہت ناکارہ' بہت بے کار ہوں نا سوسن! جانتی ہو میرے دو گھنٹے رونے کے بعد اور یہ جاننے کے بعد کہ پچھلے چار سالوں میں میں نے کیسے کیسے اس سے رابطہ کرنے کی کوشش کی۔۔۔ کس کس شخص کے پاس اس کا پوچھنے کے لیے گئی۔۔۔ خدا کے آگے کیسے کیسے گڑگڑائی اور اسے یاد کر کے کیسے کیسے روتی رہی' اس نے کیا کیا۔۔۔ اس نے جیب سے ایک کاغذ نکالا اور کہا۔

"یہ تمہاری طلاق کے کاغذ ہیں۔۔۔ میں نے اپنے مذہبی اسکالر سے اس کی تصدیق کروالی ہے۔۔۔ تمہیں اس کی ضرورت نہیں ہو گی' لیکن مجھے ہے۔۔۔ تم دستخط کر دو۔" پھر اس نے ایک لفافہ میرے آگے کیا اور کہا۔

"یہ لو پیسے اور واپس جاؤ۔ میں تمہاری شکل بھی نہیں دیکھنا چاہتا لعنتی' کافر عورت!" اسے بے طرح یاد کرنے پر وہ مجھے طلاق دے رہا تھا۔

اس کے لیے میں خدا کے آگے کیسے کیسے گڑگڑائی۔۔۔ یہ سن کر وہ مجھے لعنتی کہہ رہا تھا۔ اس نے کہا کہ اس پر اللہ کا غضب نازل ہوا تھا۔۔۔ جو اس نے ایک کافر عورت سے شادی کر لی۔۔۔ وہ تعلق ایک لعنت تھا۔ میں۔۔۔ سوسن اس نے کہا میں ایک لعنت ہوں۔۔۔ میں۔۔۔ اللہ نے تو مجھے بھی بنایا ہے اور اسے بھی۔ کیا اللہ لعنتیں بناتا ہے۔ کیا اللہ ایسا ناانصاف ہے کہ ایک کو اس جیسا انسان بناتا ہے اور ایک کو مجھ جیسا۔۔۔ اس نے کہا میں ایک کافر عورت ہوں۔۔۔ وہ کافر کسے کہتا تھا۔۔۔ خدا کو نہ ماننے والے کو۔۔۔ خدا کو چھوڑ دینے والے کو۔۔۔ اور ایک انسان کو چھوڑ دینے والے کو۔۔۔ ایک انسان کو نہ ماننے والے کو کیا کہتا ہے وہ۔۔۔ میں نے اس سے پوچھا۔

اس نے مجھے گالیاں دیں۔۔۔ میرے مرے ہوئے والدین پر الزام لگایا۔ کہ میں حرام کی پیداوار ہوں۔۔۔ میں سراپا حرام ہوں۔۔۔ میری رگوں میں ناجائز اور گندا خون ہے۔۔۔ میں اور میرے آباؤ اجداد شراب پیتے رہے ہیں اور میرے والدین کو شادی کی کیا ضرورت رہی ہو گی۔۔۔ میں ایک گندے غلیظ مغربی معاشرے کی پیداوار' کتنے کتنے گل کھلا چکی ہوں گی' وہ گالیاں دیتا رہا اور مجھے بتاتا رہا کہ میں کیا کیا ہوں۔۔۔ وہ مجھے جتا رہا تھا کہ مجھے چھوڑ آنے کی اصل وجوہات کیا تھیں' وہ میرا کافر ہونا تھا۔۔۔ غیر مذہب ہونا تھا۔۔۔ پھر اس نے میرے خدا کو گالیاں دینی شروع کر دیں۔۔۔ وہ مجھے بتانے لگا کہ دراصل کس کا مذہب سچا ہے۔۔۔ خود کو سچا ثابت کرنے کے لیے کہ میں ڈنمارک کی حکومت کو اپنے اور اس کے تعلق کو لے کر درمیان میں نہ لاؤں یا برطانیہ کو وہ مجھ پر یہ ثابت کرنے لگا کہ اپنی بات میں وہ کس قدر سچا ہے۔۔۔ وہ ایک سچے مذہب کو ماننے والا ہے۔۔۔ میں نے اس سے کہا کہ اگر اس کا مذہب اتنا ہی سچا ہے اچھا ہے تو اس کی وہ کس تعلیم کے تحت میرے ساتھ برا کر رہا ہے سوسن مذہب کس کا سچا ہے اس کے لیے تو آپ کو خود کو سچا ہونا پڑتا ہے نا۔۔۔ پہلے تو خود کو مکمل کرنا پڑتا ہے۔۔۔ ورنہ مذہب۔۔۔ کون سا مذہب ہے۔ جو یہ سب کرنے کی تعلیم دیتا تھا جو وہ میرے ساتھ کر رہا تھا۔" وہ سوسن کے ہاتھ پکڑ کر اس سے سوال کرنے لگی۔

"اس نے کہا وہ بھٹک گیا تھا۔۔۔ وہ میرے جال میں آ گیا تھا۔۔۔ میں نے اپنی خوب صورتی کا استعمال کیا۔۔۔ بھٹک تو میں گئی تھی۔ پھنس تو میں گئی تھی اس کی محبت کے جال میں۔۔۔ میں کتنی خوب صورت ہوں۔ اس کا احساس تو اس نے مجھے دلایا تھا۔ وہ تو کہا کرتا تھا اللہ اپنے شاہکاروں میں مجھے بھی شمار کرتا ہو گا۔۔۔ اور وہ کہا کرتا تھا۔ اللہ کی مہربانی اس نے زمین والوں کے نصیب میں اس شاہکار کی رونمائی کی۔۔۔ مجھے شاہکار تو اس نے بنایا تھا۔۔۔ پھر اس نے مجھے لعنت کیوں بنا ڈالا۔۔۔ سوسن! میں زندہ رہنا نہیں چاہتی۔۔۔ کوئی لعنت کے طوق کے ساتھ کیسے زندہ رہ سکتا ہے جبکہ اسے پہلے "شاہکار" کے رتبے پر فائز کر دیا گیا ہو۔۔۔

میرا تو سب چلا گیا نا۔۔۔ اس کا کیا گیا۔۔۔ وہ تو قیمتی لباس میں پہلے سے کہیں زیادہ خوب صورت میرے سامنے کھڑا تھا۔۔۔ جھکی ہوئی تو میں تھی اس کے آگے۔۔۔ گڑگڑا تو میں رہی تھی۔۔۔ بھلا بتاؤ سوسن! جو نفع میں رہتے ہیں وہ میری طرح جھک کر گڑگڑاتے ہیں۔۔۔ ایسے خوار ہوتے ہیں۔۔۔ خسارے میں کون رہا سوسن۔۔۔ وہ میرے ہاتھ پیر کاٹ ڈالتا۔۔۔ اس نے میرا دل میری روح کاٹ ڈالی۔۔۔ وہ اتنا ظالم ہو گا کاش! مجھے معلوم ہوتا۔۔۔ میں اس سے ایسی محبت کرنے لگوں گی کاش مجھے یہ بھی معلوم ہوتا۔۔۔ اور کاش وہ کھویا ہی رہتا۔۔۔ میں ساری عمر اسے ڈھونڈتی ہی رہتی۔ میری آنکھیں اس کے انتظار میں تھک کر مردہ ہو جاتیں لیکن ایسے ذلیل نہ ہوتیں۔ اس کی زبان سے نکلا زہر میرے کان میں نہ ٹپکا ہوتا۔۔۔ سوسن! میں تمہیں کیسے سمجھاؤں کہ ہاتھ کی پشت کو ہونٹوں سے لگانے والا جب ان ہی ہونٹوں سے تھوکتا ہے تو کرب کا کیسا لاوا وجود میں پھٹتا ہے۔۔۔ میں تمہیں کیسے بتاؤں۔"

مارگریٹ نے اپنے وجود کو اپنے ہاتھوں میں لپیٹنا چاہا۔ وہ ایسے تڑپ رہی تھی جیسے اس پر بوند بوند تیزاب ٹپکایا جا رہا ہو اور اس کے پاس نکل بھاگنے کا کوئی راستہ نہ ہو۔۔۔

دیوار کی اوٹ میں کھڑے اس بچے نے اس تیزاب کی بو اپنے ناک میں گھستے محسوس کی۔

"میں اس بھری دنیا میں جا کر کسے بتاؤں کہ اس نے مارگریٹ نامی شاہکار کی پردہ کشائی کیسے کی۔۔۔ کاش میں اسے کبھی نہ ڈھونڈ پاتی۔۔۔ میں نے اسے ڈھونڈ نکالنے کا گناہ کیوں کیا۔۔۔ میں نے گناہ ہی کیا۔۔۔ اگر اسے یہ سب کہنا ہی تھا تو وہ مجھے برطانیہ میں ہی کہہ کر چلا جاتا۔ وہ کاغذ جو وہ اپنے مذہبی اسکالر سے تصدیق کروا لایا تھا' مجھے وہیں دے کر چلا جاتا لیکن اس کو مجھے خوار کرنا تھا' ۔۔۔ اسے میں پہلے لعنت کیوں نہیں لگی۔۔۔ اسے مجھ جیسی کافر عورت کے سر پر منڈلاتا خدائی قہر پہلے دکھائی کیوں نہیں دیا۔۔۔ ملک بدلتے ہی اسے اتنی عقل آگئی۔ ایک امیر بیوہ کے ساتھ شادی کرنے کے بعد اسے میری اوقات یاد آگئی؟

مجھے سب کہا کرتے تھے' یہ علی دس شادیاں کر لیں تو پلٹ کر کسی ایک کی طرف بھی نہیں دیکھتے۔ پر میں نے کسی کا اعتبار نہیں کیا۔ میں نے اس کا اعتبار کیا جس نے مجھے دھتکار دیا۔۔۔ اس نے تو مجھ سے پونڈز کے لیے گرین کارڈ کے لیے بھی شادی نہیں کی تھی۔۔۔ اس نے تو مجھے زندہ درگور کرنے کے لیے سب کیا تھا۔۔۔ برطانیہ میں شادی کرنے والا ڈنمارک میں مجھے طلاق

دے رہا تھا۔ مجھے میری ' میرے والدین کی ' میرے مذہب کی غلاظت کے بارے میں بتا رہا تھا ' اس نے ایک بار بھی میری آنکھوں سے گرتے آنسوؤں کے سیلاب کو نہ دیکھا۔۔۔ اسے یہ پرواہ بھی نہیں تھی کہ میں اس کے قدموں میں گر گر جاتی ہوں۔۔۔ میں کیسے اس کے بغیر کرب میں مبتلا رہی جان کر بھی اس نے ہمدردی سے بھی میری طرف نہ دیکھا۔۔۔ میں نے اسے اس کے بیٹے کے بارے میں بتایا تو اس نے اس بات کو۔۔۔ اس بات کو ایسے سنا سوسن! جیسے میں اسے۔۔۔ میں اسے اپنے کسی بوائے فرینڈ کے بچے کے بارے میں بتا رہی ہوں۔۔۔"

وہ ایک طلاق کا دکھ لے کر نہیں پلٹی تھی۔ اسے اس طلاق کے ساتھ کئی اور تازیانے مارے گئے تھے ' اور غلاظت کا ڈھیر ثابت کر دیا گیا تھا۔

محبت کا پیادہ زمین بوس ہوا۔۔۔ تپسیا تمام ہوئی۔۔۔

کیونکہ محبت وہ پھٹکار زدہ کنیا کماری بھی ہے جو کرلاتی ہے اور جوگ محبت کے شراپ کی مستحق پاتی ہے۔

وہ خاموشی سے اپنی ماں کے پاس جا کر بیٹھ گیا۔ مارگریٹ نے آنسو پونچھ لیے۔۔۔ کتنی بدصورت ہو گئی تھی وہ اتنے سے دنوں میں۔ اس کے کپڑے گندے اور بدبودار تھے۔۔۔ اس کے وجود سے ایسی بساند اٹھتی تھی جیسے کچا گوشت دھیمی آنچ پر جل رہا ہو۔۔۔ مارگریٹ کے پیٹ کے ساتھ لگے اس کا دم گھٹنے لگا۔

امرجل کی دھارا زہر آب تھی۔۔۔

زہر زہاب (ہمہ وقت جاری رہنے والا زہریلا چشمہ) نے اپنا دہن اس کے وجود میں کھول دیا تھا۔۔۔

اس میں سے بساند کیوں نہ آتی۔۔۔

اور پھر اس دن کے بعد سے اس نے اسے یہ کہنا چھوڑ دیا

کرسمس کی ان چھٹیوں میں ہم ہلز جائیں گے۔۔۔

"سچ۔۔۔؟"

"ہاں! بس تمہارے پاپا آ جائیں۔"

"وہ کب آئیں گے؟"

"شاید ابھی۔۔۔ آج رات۔۔۔ ورنہ کل صبح۔۔۔ میں نے انہیں خط لکھے ہیں فون بھی کیے ہیں۔۔۔"

"وہ گندے ہیں۔۔۔ وہ نہیں آتے۔۔۔"

"وہ اچھے ہیں۔۔۔ وہ آ جائیں گے۔۔۔"

وہ اتنا اچھا تھا کہ ایک بار بھی نہیں آیا تھا اس نے اپنی اولاد کو بھی دیکھنے کی چاہ نہ کی۔ اس کو پتا ہی نہیں تھا کہ اس کے بیٹے کی آنکھیں اس جیسی ہیں۔۔۔ کچھ کچھ اس جیسے نقوش۔۔۔ گھنی بھنویں۔ گھنی پلکیں۔۔۔ سفید رنگت میں مبہم گندمی رنگت کی جھلک۔۔۔

مغرب میں عرب گھلتا ہوا۔

عرب پر مغرب چھاتا ہوا۔۔۔

وہ ایسا تھا۔۔۔ جس کے دنیا میں آنے سے پہلے ہی اس کے باپ نے خود کو دنیا میں چھپا لیا تھا۔

اور مارگریٹ آخر تک یہ جان نہ سکی کہ جو گم ہو جاتے ہیں ڈھونڈا انہیں جاتا ہے۔۔۔ جو خود کو چھپا لیں۔۔۔ انہیں ڈھونڈ نکالنا تذلیل ہے۔۔۔ تذلیل۔۔۔ گناہ عظیم۔۔۔ ایسے گناہوں سے خود کو بچانا چاہیے۔

تو ایسے چھپ چکے مرد کی واپسی کی قصے کہانیاں اب بس ہوئی تھیں۔۔۔ دروازے پر ٹکی نگاہیں بند ہوئیں۔۔۔ اب وہ 'مارگریٹ نامی عورت صبح اٹھتی اپنی آنکھوں کی سرخی کو میک اپ کی تہہ میں چھپاتی۔۔۔ پھر بھی بدہیت ہی لگتی۔۔۔ دو گھونٹ کافی ہچکیوں کی مانند حلق سے اتارتی۔۔۔ جلتے کچے گوشت کی بو کی تہوں میں مدفون اداکارانہ مسکراہٹ کو نکالتی اور اسے اسکول کے لیے تیار کر کے اس کا ہاتھ پکڑ کے سڑک پر ایسے چلتی جیسے اپنا ہی تابوت اٹھائے اپنی قبر کی طرف جا رہی ہو۔

اپنی ماں کے زیر سایہ وہ بھی ایسے ہی چلا کرتا جیسے قبرستان جا رہا ہو۔۔۔ دو انسان خود کو تابوت میں لٹائے۔۔۔ خاموشی سے۔۔۔ طے شدگی سے۔۔۔ دو انسان اپنے ہی پیروں پر چل کر اپنی اپنی قبر کی طرف کیسے جایا کرتے ہیں۔ مارگریٹ اور اس کے بیٹے کو دیکھ کر جانا جا سکتا تھا۔

پھر وہ اسے اسکول سے گھر لاتی اسے ایک سینڈوچ بنا کر دیتی ' گھر کو لاک کر کے چلی جاتی اور رات کو آتی۔۔۔ اس وقت تک وہ کھڑکی میں کھڑا اس کا انتظار کرتا رہتا۔۔۔ سینڈوچ ویسے کا ویسا ہی رکھا ہوتا۔۔۔ کھانا بھوک لگنے پر کھایا جاتا ہے اور اس کی بھوک مارگریٹ کی صورت دیکھتے ہی مر جاتی۔۔۔ وہ دعا کرنا نہیں جانتا تھا اس لیے صرف سوچا کرتا تھا کہ کاش اس کی ماں سے ایسی گندی بدبو نہ آیا کرے۔۔۔ کاش۔۔۔ وہ اس بو سے چھٹکارا پا لے۔۔۔

اس کے باپ کی واپسی کے قصے جو وہ اسے سنایا کرتی تھی۔ اب بند ہو چکے تھے ' لیکن پرانی تصویروں کو دیکھنا اس نے بند نہیں کیا تھا ' وہ ایک تصویر کو جس میں وہ جھیل کے پانی میں پیر ڈبوئے بیٹھا تھا اور گردن موڑے مسکرا رہا تھا اور جگمگ کرتی آنکھوں کو لیے عرب کا شہزادہ لگ رہا تھا اس کے چہرے کے ساتھ لگا کر دیکھا کرتی اور دیر تک دیکھا کرتی۔

"ہاں! تم میرے جیسے ہو" وہ خوش ہوتی اور گہرے سایوں میں گھر جاتی پتا نہیں وہ کس کس بات پر خوش ہو سکتی تھی۔ کچھ عرصہ پہلے وہ یہی سب کر کے کہا کرتی۔

"دیکھو تو۔۔۔ تم تو بالکل اپنے پاپا جیسے ہو۔" پھر وہ اپنی نم آنکھیں صاف کر لیتی۔ "تمہارے پاپا تمہیں دیکھ کر بہت خوش ہوں گے ' تم ان جیسے ہو ' میں خوش ہوں اس پر۔"

"ہاں! تم میرے جیسے ہو" کا عمل وہ ہر رات کیا کرتی جیسے اسے ہر دن یہ ڈر ہو کہ کہیں وہ اس تصویر جیسا تو نہیں ہو رہا۔۔۔ اس شخص جیسا ہی۔۔۔

اسے اپنی زندگی کا آخری مرد اپنی زندگی کے پہلے مرد جیسا نہیں چاہیے تھا اب۔

"تم مجھے چھوڑ تو نہیں جاؤ گے نا۔" وہ اس سے پوچھتی نہیں تھی بس بڑبڑاتی تھی اسے معلوم بھی نہیں تھا کہ چھوڑ جانا کسے کہتے ہیں۔۔۔ وہ ہاں کرتا تاناں۔

جن دنوں اس کی طبیعت زیادہ خراب ہونے لگی تھی ان دنوں وہ رات رات بھر بڑبڑاتی رہتی ' اس کی بڑبڑاہٹ عجیب ہوتی جیسے ہچکیاں لیتی ہو۔۔۔ مدفن ہچکیاں۔۔۔

"اگر میرے بس میں ہو تو میں تمہاری دائیں آنکھ کی کمان کے کنارے پر بنے اس تل کو اپنی مٹھی میں لے لوں۔۔۔ اور اسے کہیں چھپا دوں۔۔۔ ہاں چلو اپنے دل میں۔۔۔ تاکہ جب تم ہنسو تو کوئی اور اس تل کے رقص پر فدا نہ ہو جائے۔۔۔ میں کسی اور کو تم پر فدا ہوتے کیسے دیکھ سکتی ہوں۔ میں مر جاؤں گی۔"

"کل میں فرش صاف کرتے پھسل گئی۔۔۔ میری ناک سے خون بہنے لگا۔۔۔ میں رونے لگی ' تم ہوتے تو اپنی آستین سے میرا خون صاف کرتے اور مجھے بانہوں میں بھر کر کہتے "مارگریٹ دی سپردومن۔۔۔ سپردومن بھی روتی ہے کبھی۔۔۔ اور تمہاری نیلی آنکھوں میں ایک ہی چیز بھلی نہیں لگتی "آنسو" تم وہ کام کیوں کرتی ہو مارگریٹ جو مجھے اچھے نہیں لگتے تم "آہ" کیوں کرتی ہو۔۔۔ اگر تمہیں کسی وجہ سے رونا ہی ہوا کرے تو تم خود کو کہیں چھپا لیا کرو۔۔۔ پھر اپنی روتی صورت کو میک اپ سے چمکا لیا کرو۔۔۔ مجھے معلوم نہیں ہونا چاہیے کہ تم روتی رہی ہو۔"

"میں روتی رہی ہوں۔" مارگریٹ صبح تک یہی ایک فقرہ بڑبڑاتی رہتی۔۔۔ اس نے تھوک کر جلا دی گئی محبت کی پوشاک میں خود سے ہی پیوند کاری کر لی تھی۔ ۔۔۔ وہ ایک ایسی جذامی بڑھیا بن گئی جس کے زخم ہی اس کی دوا تھے۔۔۔ اسے کسی وید کے پاس جانے کی حاجت نہ تھی۔۔۔

کوئی ایسی محبت کو طوق زدہ ' زنجیر پا کرے۔ جو گدھ بنی بوٹی بوٹی نوچتی ہے۔۔۔ ایسے مردار خوار کو کوئی رحم والا مردار کرے۔۔۔ کوئی رحم کرے۔۔۔

اور جب جب وہ بہت زیادہ بڑبڑانے لگتی اور اس کے کانوں میں مزید سکت نہ رہتی سننے کی تو وہ اپنے کانپتے ہاتھ سے ہولے سے مارگریٹ کے جسم کو چھوتا اور وہ جھرجھری لے کر بڑبڑانا بند کر دیتی۔۔۔ اور ہاتھ بڑھا کر اسے اپنے وجود میں سمیٹ لیتی۔۔۔ نہیں اپنے بیٹے کو نہیں۔۔۔ عرب کے گم ہو چکے اپنے شہزادے کو۔۔۔ جس کی محبت کو مار کر بھی وہ نہیں مار پا رہی تھی۔۔۔ اور جو

خود کو زندگی کے کنارے پر گھسیٹ لائی تھی اور موت کی طرف ہاتھ ہلاتی تھی۔

اور کون کہتا ہے کہ موت سیاہ شب خون ہے۔۔۔ موت نے قطعاً" مارگریٹ کی زندگی پر شب خون مارنے کی کوشش نہیں کی تھی۔۔۔ یہ کام تو خود مارگریٹ کررہی تھی وہ خود سے شتابا نہتی کرچکی تھی۔۔۔ ذرا سی تپش ملتے ہی وہ جل کر بھسم کیسے نہ ہو جاتی۔۔۔ ایسی حالت میں اسے کون بچا سکتا تھا۔۔۔ کوئی معجزہ ہی۔۔۔ اور وہ کوئی نبی پیغمبر تو نہ تھی وہ تو صنم گزیدہ تھی اور معجزے ایسے لوگوں پر اتنے مہربان نہیں ہوتے۔

ایک رات وہ مرگئی۔ اس رات اس نے اپنی زندگی کے آخری مرد کا ہاتھ مضبوطی سے اپنے ہاتھوں میں تھام رکھا تھا۔ وہ اس کے ہاتھ کو بار بار اپنے ہونٹوں' اپنے گالوں' اپنی آنکھوں سے لگاتی۔

اس کی زندگی کے اس آخری مرد کی آنکھوں سے آنسو رواں تھے۔۔۔ انسان بڑا حساس واقع ہوا ہے۔۔۔ موت کی آہٹ پر اس کے کان کھڑے ہوجاتے ہیں۔۔۔ نو مہینے زندگی نمو پاتی ہے تو ایسا واویلا مچاتی آتی ہے۔۔۔ موت تو سالوں۔۔۔ سالوں اور سالوں ہی نمو پاتی ہے' اپنی آمد پر کس اہتمام کا واویلا نہیں مچاتی ہوگی۔۔۔ وہ رو رہا تھا۔۔۔ واویلے پر اس کے کان کھڑے ہوگئے تھے۔

اپنی طرف سے مارگریٹ اپنے ماں' باپ اپنے گھر' اپنے بچپنے' اپنے اسکول کی باتیں کررہی تھی اسے سنا رہی تھی' لیکن دراصل وہ اسے ہر دوسری بات کے بعد اس پہلے شخص کے قصے سنانے لگتی تھی جو اس کی پائنتی موجود نہ تھا سرہانے۔۔۔ جو اس کے آخری وقت میں آنے والا تھا نہ ہی جنازے میں۔۔۔

مارگریٹ کو کوئی خواہش نہ تھی اس شخص کو خدا کے حضور موردِ الزام ٹھہرانے کی۔۔۔ وہ وہاں بھی یہی کرنے والی تھی۔۔۔ یہ وہ اللہ سے اسے مانگنے والی تھی۔۔۔ وہ رحم دل خاتون تھی' وہ جو اس کے لیے اللہ سے رحم مانگنے والی تھی۔

"قہوہ پینے کے بعد وہ ہمیشہ کپ کو اوندھا کردیا کرتا تھا۔۔۔ یہ اس کی عادت تھی۔۔۔ مجھے اس کی یہ عادت بہت پسند تھی۔"

ہاں واقعی مارگریٹ کو اس کی یہ عادت پسند تھی۔ اس کی کافی کا مگ خالی ہوتے ہی اوندھا ہو جاتا۔ بڑے ہوتے ہوئے اس نے کئی اوندھے کپ پاؤں کی ٹھوکر سے توڑ ڈالے۔۔۔ اوندھے کپ دیکھ کر وہ پاگل سا ہو جاتا۔۔۔ اس کا بس نہ چلتا کہ کیسے وہ اس دنیا کو اس بھٹی میں جلا ڈالے' جو اس کے ماں کے اندر بھڑکتی رہی تھی۔

"تمہاری آنکھ کی کمان کے کنارے بھی تل ہو۔ تمہارے دنیا میں آتے ہی میں نے سب سے پہلے اس تل کو ڈھونڈا۔۔۔ میں نے نو مہینے اس ایک تل کے لیے دعائیں کی تھیں۔" اور آخری بات جو کرکے وہ خاموش ہوگئی' وہ بس اتنی سی تھی۔

"بس اب تم میرے ہاتھ کو اپنے ہونٹوں سے لگا لو۔"

اس نے اس ہاتھ کو ہونٹوں سے لگا لیا۔۔۔ لگائے رکھا۔۔۔ لیکن وہ اس کا بیٹا تھا' اس کا محبوب نہیں۔ صرف چھبیس سال کی جوان بوڑھی ہو چکی۔ نیلی آنکھوں اور کبھی کی گلابی رنگت والی مارگریٹ کو اس نے تابوت میں آنکھیں موندے سوتے دیکھا۔۔۔ اور تابوت کے کنارے وہ دیوانوں کی طرح رویا۔۔۔

عالیان مارگریٹ۔۔۔ اس نے اسی وقت فیصلہ کرلیا تھا کہ اسے کس سے سب سے زیادہ نفرت کرنی ہے۔۔۔ اپنے باپ سے۔۔۔

آنٹی سوسن نے اسے اوور کڈز سینٹر میں داخل کروا دیا تھا' جو ایک پرائیویٹ ادارہ تھا اور بے سہارا بچوں کی دیکھ بھال میں ایوارڈ یافتہ تھا۔ کچھ عرصے بعد اسے بتایا گیا کہ ایک خاتون نے اسے گود لے لیا ہے اور وہ ان کے گھر ان سے ملنے جا سکتا ہے۔ اسے ایک رات اس خاتون کے گھر چھوڑ دیا گیا۔

☼ ☼ ☼

وہ خاتون ماما مہر تھیں۔ انہوں نے اسے دیکھتے ہی اس کی دونوں ہتھیلیوں کو ہونٹوں سے لگا لیا اور اپنی آنکھوں پر رکھ لیا۔

"مارگریٹ۔۔۔!" انہوں نے ہولے سے سرگوشی کی۔

وہ ان کی گود میں رات بھر بیٹھا رہا اور وہیں سوگیا۔۔۔ یہ ان دونوں کی پہلی ملاقات تھی۔

وہ اپنی اب تک کی زندگی میں دوسری بار محبت کررہا تھا۔۔۔ اور پھر سے ایک عورت سے۔۔۔ ایک سے پیدائشی ہوئی تھی۔۔۔ دوسری سے معجزاتی۔۔۔ کسی آسمانی تحفے کی طرح جس کے اترتے ہی بس آنکھوں سے لگا لیا جاتا ہے۔۔۔ سینے میں اتار لیا جاتا ہے۔۔۔ مقدس محبت۔۔۔ جس کی پرستش کرنے پر دل مائل رہتا ہے۔

ماما مہر سے جدائی اسے شاق گزرتی۔۔۔ وہ ان کے ساتھ رہنا چاہتا تھا اور ان کے لیے رویا کرتا تھا۔۔۔ وہ ایک نئی عورت سے مل رہا تھا جس کی آنکھیں گہرے پانیوں میں ڈوبی نہیں رہتی تھیں۔۔۔ جن میں آس تھی نہ انتظار۔۔۔ اور یہ خاتون بڑبڑایا بھی نہیں کرتی تھیں۔۔۔ رویا کرتی تھیں نہ ہی اس کی ٹھوڑی کو اٹھا کر اس کی آنکھوں کو گھنٹوں تکا کرتی تھیں۔۔۔ اور ان کے سینے سے لگے اسے انسانی گوشت کے جلنے کی بو بھی نہیں آیا کرتی تھی۔۔۔ کیسی خاتون تھیں وہ' وہ بالکل مارگریٹ جیسی نہیں تھیں۔۔۔ جس رات وہ ان کے سینے سے لگ کر سوتا' ساری رات جاگ کر انتظار کرتا کہ وہ کوئی سسکی بھریں گی۔۔۔ کسی کو پکاریں گی۔۔۔ لیکن ایسا کبھی نہ ہوتا۔

ہاں وہ بہت محبت سے اپنے شوہر۔۔۔ اپنے والدین کا ذکر کیا کرتیں۔۔۔ یا اسے کہانیاں سنایا کرتیں جن میں پریاں ہوتیں۔۔۔ ان کے کھیل تماشے' شرارتیں ہوتیں لیکن کوئی اختتام نہ ہوتا۔۔۔ نہ دکھ نہ آہ۔۔۔ نہ رونا' نہ رلانا۔۔۔

وہ قصہ گو نہیں تھیں۔۔۔ کیونکہ وہ "محبت گو" تھیں۔

وہ کہانی نہ بن سکتیں کیونکہ وہ انسان "بننے" میں مصروف رہتیں۔

وہ کیمیاگر تھیں۔۔۔ انہیں تو تانبے کو سونا بنانا تھا۔۔۔

"سونا۔"

وہ اس سے کہانی سننے کی فرمائش کرتیں۔۔۔ بہت دیر بعد وہ کہانی کی پہلی اور آخری سطر بیان کرپاتا۔

"ایک۔۔۔ ایک پری تھی۔"

پھر وہ خاموش ہو جاتا۔۔۔ دونوں خاموش ہو جاتے۔

کہانی کئی سالوں تک ایسے ہی اختتام پذیر ہوتی رہی۔۔۔ ماما مہر نے ہمت نہیں ہاری۔۔۔ انہیں معلوم تھا۔۔۔ انہیں انتظار تھا۔۔۔ کہانی آگے ضرور بڑھے گی۔۔۔ اور وہ محبت ہی کیا جو اختتام پر صابر ہو جائے۔۔۔ کہانی ایک دن آگے بڑھ گئی۔۔۔ کئی سال لگے لیکن ایسا ہوگیا۔

"ایک پری تھی۔۔۔ وہ جنگل میں پھول لینے نکلی اور دو دموں والے ایک بندر کو دیکھ کر ڈر گئی اور جلدی سے ایک درخت کے پیچھے چھپ گئی۔۔۔ درخت نے اس سے کہا کہ وہ پانی میں چھلانگ لگا دے' ورنہ بندر اس کے سارے بال کھا جائے گا۔۔۔ بندر اس کے سنہری بال نہ کھا جائے' اس ڈر سے اس نے پانی میں چھلانگ لگا دی۔۔۔ لیکن یہ کیا ماما۔۔۔ مچھلیوں نے اس کے سنہری بال کھا لیے۔ وہ باہر نکلی تو۔۔۔ سب درخت۔۔۔ سارے پھول۔۔۔ سارے بندر۔۔۔ سارے ہی بندر۔۔۔ ہاہاہا کرنے لگے۔۔۔ ایسے منہ کھول کر ہاہاہا۔۔۔ ہاہاہا ہی کرتے رہے۔"

ماما مہر کی طرح کہانی کہیں سے بھی شروع ہو' اسے ہاہاہا پر ہی ختم ہونا چاہیے ہر صورت۔ بیٹے عالیان نے یہ گر آخر کار سیکھ ہی لیا تھا۔۔۔ اس رات ماں بیٹا نشست گاہ میں دیر تک لوٹ پوٹ ہوتے رہے۔۔۔ تو عالیان میں زندگی آخر کار نمو پانے لگی تھی۔۔۔ اور یہ محبت کا ہی کمال ہے۔۔۔ وہ مردے کو زندہ کر ڈالتی ہے۔ زوال کو کمال۔۔۔ کمال کو با کمال۔

ماما مہر میں اس کی جان آچکی تھی اور اس کے لیے بہت تکلیف دہ ہوتا ان سے دور' ان کے بغیر رہنا۔۔۔ ان ہی دنوں اس نے جانا کہ جہاں محبت ہوتی ہے وہاں تکلیف ضرور ہوتی ہے۔۔۔ جو ہمیں چاہیے ہوتا ہے' وہی ہم سے دور ضرور ہوتا ہے۔۔۔ جسے مٹھی میں کرلینے کو جی چاہے' اس کے لیے دل مٹھی میں ضرور آجاتا۔

پندرہ سال کا ہو جانے کے بعد اسے وہ چیزیں دی گئیں جو اس کی ماں کی تھیں۔ جسے آنٹی سوسن نے سینٹر کے حوالے کیا تھا۔ اس نے وہ تصویر جسے وہ اس کے گال کے ساتھ لگا کر گھنٹوں دیکھا کرتی تھیں‘ سب سے پہلے پھاڑ کر پھینک دی۔۔۔ وہ خط جو غلط پتوں کی وجہ سے واپس آچکے تھے ٗانہیں بھی وہ پھاڑ ڈالتا ٗاگر وہ مارگریٹ کے ہاتھوں سے نہ لکھے گئے ہوتے۔۔۔ کچھ وہ خطوط بھی تھے‘ جو مارگریٹ کی موت کے بعد واپس آئے تھے‘ یعنی اپنی موت سے پہلے بھی وہ اسے خط لکھتی رہی تھی۔۔۔ اس نے کبھی ان خطوط کو پڑھنے کی کوشش نہیں کی تھی۔۔۔ سوائے ایک بار کے۔

”آج سے چار سال پہلے جب تم اپنے گھر والوں سے ملنے کا کہہ کر مانچسٹر سے جارہے تھے تو مجھے لگتا تھا میں تمہیں مانچسٹر میں آخری بار دیکھ رہی ہوں۔۔۔ یہ ایسا وہم تھا کہ کچن میں کام کرتے میں اپنا ہاتھ جلا بیٹھی۔۔۔ ڈاکٹر کے پاس میں تمہاری دی رنگ بھول بیٹھی۔۔۔ اس رنگ کو ڈاکٹر کے کوڑا دان میں بہت مشکل سے تلاش کرپائی۔۔۔ کوڑے دان میں اگلے دن اس رنگ کے ملنے نے مجھے پاگل سا کر دیا تھا۔“

وہ فون کبھی نہ آیا۔۔۔ خط واپس آتے رہے۔۔۔ جس کی آنکھ کی کمان کے کنارے تل تھا ٗاسے ڈھونڈنے مارگریٹ گاہے بگاہے نکلتی رہی یہاں تک کہ زندگی کی آخری سانسیں لینے لگی۔۔۔ اور پھر موت نے اسے اپنی سانسیں عطا کردیں‘ اپنے سارے وہموں کے ساتھ وہ پوشیدہ ہوگی۔۔۔

وہ اس شخص کا جائز بیٹا تھا یا ناجائز۔ اسے اس سے کوئی سروکار نہیں تھا۔ اسکول میں اس کے نام کے آگے ولید البشر لگتا تھا جو بڑا ہونے پر اس نے بدل لیا۔ وہ کسی ولید البشر کو نہیں جانتا تھا۔۔۔ اگر دنیا میں کوئی ولید البشر تھا تو وہ اس کا باپ نہیں تھا۔ ایک بھیڑیا تھا جس نے اس کی ماں کو چیر پھاڑ ڈالا اور اسے لعنت قرار دیا۔۔۔ اس عورت کو اس نے لعنت قرار دیا‘ جس نے اس کے بعد دوستی کے نام پر بھی کسی مرد سے بات نہ کی۔۔۔ اگر وہ ایک لعنت ہی ہوتی تو پھول دار کپڑے پہنے‘ خود کو سجائے بنائے اب تک زندہ ہوتی۔۔۔ وہ اب تک بڑی شان سے زندہ ہوتی۔۔۔ اس کے لحاف اس کے منہ سے نکلنے والے خون کے چھینٹوں سے سرخ نہ ہوئے ہوتے۔۔۔ اس کی راتیں سسک کر نہ گزرتیں۔۔۔ اس کے دن آنکھوں کی نمی چھپاتے نہ گزرتے۔۔۔ اسے زندگی گزارنے کے لیے اقوال یاد نہ کرنے پڑتے۔۔۔ اور ہر روز اسے خود کو بہادر بنا کر زندگی کے سامنے نہ کھڑا کرنا پڑتا۔۔۔

وہ اسے لمبے لمبے خط نہ لکھتی۔۔۔ پاگل ہوئی اسے ڈھونڈتی نہ پھرتی۔۔۔

بے وفا اور لعنتی عورتیں اتنے وبال پالتی ہیں بھلا۔۔۔ اور کیا ایسی عورتیں اتنی جلدی مرجاتی ہیں۔۔۔ اور کیا اتنی ہی آسانی سے وہ موت کو خوش آمدید کہتی ہیں۔

پہلے وہ سوچا کرتا تھا کہ وہ اس شخص کو ڈھونڈ کر مار ڈالے گا۔۔۔ لیکن ماما مہر کہا کرتی تھیں کہ اپنے دل و دماغ کو خاموش رکھو۔۔۔ سارے وبال یہیں سے پھوٹتے ہیں۔

ولید البشر“ کا خیال آتے ہی وہ اپنے دل و دماغ کو خاموش کروا دیتا۔۔۔ شروع شروع میں مشکل تھا۔۔۔ لیکن اس نے کرلیا۔۔۔ ماما مہر ٹھیک کہتی تھیں اسے وبال پالنے کی ضرورت نہیں تھی۔۔۔ اس کی زندگی میں مارگریٹ اور مہر موجود تھیں۔۔۔ اور اسے ان ہی کے سہارے زندگی مکمل کرنی تھی۔

☆ ☆ ☆

وہ خاص وقت تھا۔ برفیلی ٹھنڈ میں مانچسٹر کی ایک بند گلی کے کنارے وہ خود کو دنیا سے چھپا کر کھڑا تھا۔

”مارگریٹ اس کی ماں کا نام ہوگا تو باپ کا کیا ہوگا۔۔۔ معمولی وجہ نہیں ہے یہ۔۔۔ نہیں ہے معمولی۔۔۔ اس کے باپ کا‘ خاندان کا کوئی اتا پتا نہیں ہے۔۔۔ وہ کون ہے وہ خود بھی نہیں جانتا ہوگا۔۔۔ یورپ کے آزاد معاشرے کی دین۔۔۔ غیر مذہبی۔۔۔ غیر اخلاقی اقدام کی پروان۔۔۔ میرے خاندان کے لیے طمانچے جیسے باتیں

ہوں گی یہ سب۔۔۔“

عالیان نے جھرجھری لی۔۔۔ اسے بہت ٹھنڈ لگ رہی تھی۔۔۔ جس دیوار کے سہارے وہ کھڑا تھا وہ گیلی تھی اور اس میں سے بو آتی تھی۔۔۔ نہیں وہ غلط تھا۔۔۔ وہ بو تو اس کے اندر سے آرہی تھی۔۔۔ انسانی گوشت کے جلنے کی۔

ہاں! اب اسے ٹھیک ٹھیک معلوم ہوگیا تھا کہ اس کی نیلی دھنسی ہوئی آنکھوں والی ماں نے کیا محسوس کیا تھا‘ جب اس شخص نے جس سے وہ دیوانوں کی طرح محبت کرتی تھی ٗاسے لعنت قرار دیا تھا۔۔۔

اچھا تو کیا اس کا سانس بھی ایسے حلق میں اٹکا ہوگا کہ سینے پر ہتھوڑے مارنے کو جی چاہتا ہوگا؟

زمین دھسان (دلدل) ہے۔۔۔

آکاش اندھیار کا سیواک ہے۔۔۔

دھڑ۔۔۔ دھڑ۔۔۔ دھڑ‘ لاکھوں کروڑوں تاریکی‘ غبار سے اٹے پٹ وا ہوئے۔۔۔

زندگی اندھیار کی چاکر ہوئی۔

اور لو روشنیاں گل ہوئیں۔۔۔ اب بس گل ہوئیں۔

اس شخص کے دل کو تسلی نہیں ہوئی تھی۔ اس نے مارگریٹ کے بیٹے سے بھی بدلہ لیا تھا۔۔۔ اسے بھی چیر پھاڑ ڈالا تھا۔۔۔ اسی کی ذات کو لے کر اس پر سوال اٹھے تھے۔۔۔ اس شخص کی شناخت سے اس کی شناخت ہونی تھی۔۔۔ جس شخص کے نام کو وہ اپنی زبان سے ادا نہیں کرتا تھا۔ اس شخص کے نام کو اپنے نام کے ساتھ لگانے پر اسے تسلیم کیا جائے گا۔ اگر ایسا ہی تھا تو اسے کچھ نہیں چاہیے تھا۔۔۔ اسے کوئی پہچان۔۔۔ کوئی محبت نہیں چاہیے۔۔۔ اسے امرحہ واجد اب نہیں چاہیے۔ اس کی ماں پر غیر اخلاقی اقدام کی انگلی اٹھانے والی۔۔۔

امرحہ واجد۔۔۔

درد کی ایک لہر اس کے اندر اٹھی۔ آخر اس نے اس لڑکی کو کیوں پسند کیا۔

اس کی بدقسمتی اسے اس اسٹوڈنٹ پارٹی میں لے گئی۔ اس کا کوئی ارادہ نہیں تھا۔۔۔ اس فضول سے مذاق میں شرکت کرنے کا جو فریشرز (نئے آنے والوں) کے ساتھ کیے جاتے تھے۔ خاص کر امرحہ کے ساتھ کیے جانے والے مذاق میں تو اسے بالکل دلچسپی نہیں تھی۔ کیونکہ جب جب وہ لڑکی اسے ملی تھی ٗاس کا مزاج ہی بگاڑا تھا اس نے۔۔۔

وہ ایک طرف اندھیرے میں کاک ٹیل لیے بیٹھ گیا اور سارا تماشا دیکھنے لگا۔۔۔ اور جب وہ رو رو کر اردو میں چلّانے لگی تو اسے برا لگا۔۔۔ اور جب گھٹنوں میں سر دے کر وہ باقاعدہ رونے لگی تو۔۔۔ تو۔

مارگریٹ کچن میں اس کے لیے کچھ پکانے کی کوشش کررہی تھی۔ وہ کھڑکی سے باہر دیکھ رہا تھا اور کھڑکی سے اندر۔۔۔ کچن کی طرف سے آتی آوازیں سن رہا تھا۔۔۔ جب ان آوازوں کو سنتے سنتے وہ خود رونے جیسا ہوگیا تو کچن کی طرف آیا۔۔۔

”ماما!“ اس نے روتی ہوئی مارگریٹ کو بلانے کی جرات کی۔ کچھ دیر بعد وہ چھری پھینک کر اس کی طرف پلٹی۔۔۔ اس کی انگلی سے خون نکل رہا تھا۔

”میرا ہاتھ کٹ گیا ہے۔۔۔ مجھے بہت درد ہو رہا ہے۔“

اگر وہ براڈوے میں کام کرتی تو سارے براڈوے کو لے ڈوبتی۔۔۔ اتنے سے بچے کو الو بنانے میں وہ ناکام تھی‘ انگلی کاٹ کر رونے کی وجہ بتا رہی تھی۔

اس نے انگلی سے خون کو بہنے دیا۔۔۔ اور روتی رہی‘ ”مجھے بہت درد ہو رہا ہے۔۔۔ بہت درد۔۔۔“ اور وہ خاموش کھڑا انگلی کو نہیں ان آنکھوں کو دیکھ رہا تھا جن سے خون ابل رہا تھا اور وہ خون فرش پر نہیں ٗاس کے دل پر گر رہا تھا۔

امرحہ واجد سسک رہی تھی اور جب اس نے سیاہ مشرقی آنکھوں میں جھانکا تو اسے معلوم ہوا کہ مارگریٹ کی طرح لحاف میں منہ دے کر وہ بھی بہت روتی رہی ہیں۔۔۔ ان پر بھی کرب کے بہت سے پہاڑ ٹوٹے ہیں۔۔۔ وہ ان آنکھوں میں جکڑا گیا۔

مارگریٹ کو پھر سے کسی نے رلا دیا۔

اب وہ یہ نہیں ہونے دے گا۔

وہ رات اس نے جاگ کر گزاری۔۔۔ مشرقی افق پر دو نین دھرے تھے وہ ان میں ڈوب ڈوب جاتا تھا۔۔۔

بھوری آنکھوں میں جو دیپ بجھے پڑے تھے' وہ جل اٹھے تھے۔۔۔

وہ تان سین کی شاگرد رہی ہو گی۔۔۔ اس نے اس کے اندر چراغاں کر دیا تھا۔۔۔

وہ حیات کا دہانہ تھی۔۔۔ وہ اسے زندہ کر رہی تھی۔۔۔ وہ مشرقی ساحرہ تھی۔۔۔ بس میں کر لینا وہ سیکھ چکی تھی۔

اور وہ ہنفشین تھی' وہ اس کے زخم مندمل کرنے آئی تھی۔۔۔ اسے لڑکیوں میں اتنی دلچسپی تھی جس سے کارل کو چڑ ہو سکے' وہ کارل کی ہر گرل فرینڈ کو لے اڑتا۔ کارل کے ساتھ یہ سب چلتا رہتا تھا۔ پھر اس نے ایک ایسی لڑکی میں دلچسپی کیوں لی جس نے اتنی حقارت سے وہی سارے الفاظ اس کے منہ پر دے مارے تھے جو کبھی ڈنمارک میں اس کی ماں کے منہ پر مارے گئے تھے۔ وہ خود اپنے باپ کے لیے بھی اتنا ہی حقیر تھا۔۔۔ جتنا اب امرحہ واجد کے لیے۔۔۔

اس نے استہزائیہ ہنس کر سوچا۔ ”ایک ہی نسل کے دو انسانوں کا ایک جیسا نصیب۔۔۔ دونوں کو محبت ہوئی۔۔۔ دونوں کو بدلے میں دھتکار ملی۔۔۔ دونوں کو لعنت قرار دے دیا گیا۔“

دو انسانوں کے نصیب میں اتنی مماثلت۔۔۔ وہ واقعی بہت بد نصیب تھا۔ اس کا ٹوٹ کر رونا بنتا تھا۔

امرحہ واجد کو اس کی ماں سے زیادہ اس کے باپ کی فکر تھی' جس کی غلیظ تصویر کو اس نے پھاڑ کر پھینک دیا تھا۔۔۔ وہ انگلی اٹھا رہی تھی کہ وہ کون تھا۔۔۔ وہ عالیان مارگریٹ تھا۔۔۔ اور اسے کیا ہونا چاہیے تھا۔۔۔ اگر عالیان نام اسے اس کی ماں نے نہ دیا ہوتا تو وہ یہ بھی بدل لیتا۔

اسٹوڈنٹ پارٹی کے بعد اس نے خود کو اسے دیکھتے پایا۔۔۔ وہ اس کے ڈپارٹمنٹ تک جاتا۔۔۔ وہ اپنے لمبے دوپٹے کو سنبھالتی یونیورسٹی کے در و دیوار کو ایسے دیکھتی جیسے کسی نئے جہان آ چکی ہو۔۔۔ وہ اپنے آپ میں مسکراتی رہتی۔۔۔ خاص کر تب جب اس کے قریب سے کوئی عجیب و غریب لباس یا ہیئر اسٹائل والا اسٹوڈنٹ گزرتا۔ اسٹوڈنٹ پارٹی کے بعد اس نے دیکھا کہ ہنسی کو دبائے' زبردستی کا منہ پھلائے وہ سب کی معذرت سن رہی ہے۔ جیسے ان پر اس نے ”سو“ کر رکھا تھا لیکن یہ اس کی انسان دوستی کی مثال ہے کہ وہ ایسا نہیں کر رہی' ڈیرک جیسے ہاتھ باندھے سزا کے انتظار میں کھڑا تھا اور وہ اعصاب تانے کسی خونخوار بادشاہ کی اکلوتی بیٹی بنی ایسے ظاہر کر رہی تھی جیسے کہہ رہی ہو۔

”بس۔۔۔ اب تمہیں بھوکے شیروں کے آگے ضرور ڈالا جائے گا۔۔۔“

وہ اکثر آکسفورڈ روڈ پر اس کے پیچھے جاتا۔۔۔ اس کا دوپٹہ اس کے لیے ایک مسئلہ تھا۔ اسے اتنے بڑے بڑے دوپٹے لینے کا شوق بھی تھا اور انہیں سنبھالنا بھی نہیں آتا تھا۔۔۔ شاید وہ سارے مانچسٹر کو یہ بتانا چاہتی تھی کہ صرف وہ اکیلی ہے ”مشرق کی پہچان“ جی ہاں۔۔۔ وہ اکیلی۔۔۔

ایک دن جب وہ آکسفورڈ روڈ پر اس کے پیچھے پیچھے آیا تو اس کا دوپٹا اس کے پیچھے والے کے پاؤں میں الجھ گیا۔ پیچھے والا معذرت کر کے آگے بڑھ گیا۔۔۔ اور وہ دوپٹے کے کنارے اور اس کنارے کو پیر تلے دبانے والے کو گھورتی رہی۔۔۔ کچھ آگے جا کر اتفاقاً ”وہ بے چارہ الجھ کر گر گیا۔۔۔ اور وہ جو پیچھے کھڑی اسے گھور رہی تھی' منہ پر ہاتھ رکھ کر ہنسی۔ اس کا انداز کچھ ایسا تھا جیسے اس لڑکے کو کہہ رہی ہو۔۔۔

”اب آیا مزا۔۔۔ اگلی بار دھیان سے چلنا۔۔۔ یو ایڈیٹ۔“

اور اسی دوپٹے کو لے کر اگلا منظر کچھ یوں تھا کہ ایک ہندوستانی لڑکے نے زمین بوس ہوتے اس کے دوپٹے کو پیچھے سے اٹھا کر اسے دیا اور ساتھ کوئی استہزائیہ یا طنزیہ جملہ کہا اور ہنسنے لگا۔۔۔ اور پھر ایک دم سے اس کی ہنسی تھم گئی۔۔۔ امرحہ واجد ہاتھ لہرا لہرا کر اسے کچھ کہہ رہی تھی۔۔۔

”ہندوستان' پاکستان کی تاریخی ناچاقی کا ایک چھوٹا سا منظر۔“

بات شاید دوپٹے سے ہوتی' اسلام اور دہلی تک جا پہنچی تھی۔

اور اس سے اگلا منظر کچھ ایسے تھا کہ یونی کے باغ میں لگے ایک۔۔۔ پودے کے ساتھ اس کا دوپٹہ اٹک گیا وہ ذرا آگے چلی گئی' دوپٹے کے کھنچاؤ سے اسے پیچھے پلٹنا پڑا اور ایسا کرتے وہ اپنے پیچھے آنے والی لڑکی سے ٹکرا گئی۔۔۔ ٹکر سے اس بچاری کی عینک گرتے ہی ٹوٹ گئی جو اس نے کچھ دیر کے لیے سر پر لگائی ہو گی۔ ظاہر ہے وہ بے چاری صبر کے گھونٹ پی کر رہ گئی' اگر امرحہ واجد ہوتی تو دھاڑیں مار مار کر روتی۔۔۔ اسٹوڈنٹس کی ہمہ وقت کی خالی جیبوں پر ایسے نقصانات کسی ہائیڈروجن بم کی طرح پھٹتے ہیں اور وہ تو پھر اس کا نظر کا چشمہ تھا کتابوں سے زیادہ اہم و ضروری۔۔۔ عالیان کو اس سے بات کرنے سے زیادہ اس کے پیچھے پیچھے رہنا دلچسپ اور حیرت انگیز لگتا تھا۔

ایک دن اس کے کلاس فیلوز نے اسے پروفیسر ڈرل کے آفس بھیج دیا۔۔۔ پروفیسر ڈرل صرف what ہی ایسے پوچھا کرتے جیسے کہہ رہے ہوں۔

”کیا۔۔۔ یعنی کہ کیا۔۔۔ ہیں۔۔۔ کیا؟ اب بولو نا۔۔۔ بولتے نہیں۔“

ایسے what کو سن کر سامنے پیش ہونے والا کتنا ہی ضروری کام کو لے کر آیا ہوتا' یہی سوچتا کہ ”آخر کیا ضرورت تھی اتنے معمولی سے کام کے لیے پروفیسر کو تنگ کرنے کی۔۔۔“

وہ دونوں ہاتھوں کو میز پر رکھتے اور مریخ پر جانے جیسی سنجیدگی لیے ایسے دیکھتے جیسے کہتے ہوں۔

”تمہاری یہ جرات کہ تم یہاں تک آئے۔۔۔ لاؤ دکھاؤ کیا مسئلہ ہے۔۔۔ آئے ہیں بڑے پڑھنے۔۔۔ نیوٹن بننے۔۔۔ باتوں سے فرصت نہیں اور آ جاتے ہیں پروفیسرز کو تنگ کرنے۔۔۔ ہیں۔“

اور پھر وہ اس پیش ہونے والے نیوٹن سے وہ وہ سوال کرتے کہ اس بے چارے' بے چاری کو رندھے گلے کے ساتھ معذرت کر کے اٹھنا پڑتا۔

”نالائق!“ اپنی پشت پر یہ سرگوشی بھی سننا پڑتی۔

رندھے گلے کے ساتھ اور نالائق کا لقب لے کر جب وہ پروفیسر ڈرل کے آفس سے باہر آئی تو اسے بھیجنے والے اس کے کلاس فیلوز کوریڈور میں لوٹ پوٹ ہونے لگے۔۔۔ انہوں نے نجانے کون کون سے جھوٹ سچ گھڑ کر اسے بھیجا ہو گا اور یہ بات اسے آفس سے باہر آنے کے بعد معلوم ہو گئی تھی۔۔۔ وہ خاموش کھڑی ان کے قہقہے سنتی رہی۔۔۔ پھر خود بھی ہنسنے لگی۔ اس بار اس نے ہاتھ میں پکڑی فائل انہیں دے مارنے کی حرکت نہیں کی تھی۔

وہ مانچسٹر کے رنگ میں رنگ رہی تھی۔۔۔ پہلے کی نسبت وہ خوش نظر آ رہی تھی۔ عالیان کو لگنے لگا تھا کہ وہ کسی ونڈر لینڈ میں آ گیا ہے۔۔۔ یعنی صرف ایک لڑکی کے مانچسٹر میں آ جانے سے سارا مانچسٹر ہی ونڈر لینڈ میں بدل چکا تھا۔ وہ اب تک اپنی ماں کو یاد کر کے سوتا رہا تھا اور کئی کروٹیں بدلنے کے بعد اسے نیند آتی تھی۔۔۔ اب وہ اسے سوچتا۔۔۔ مسکراتا۔۔۔ اور سو بھی جاتا۔۔۔ اور کبھی سوچتے سوچتے لحاف کو جھٹک کر اٹھ کر بیٹھ جاتا اور قہقہے لگاتا۔۔۔ اچھا تو وہ یہی پری تھی۔۔۔ جس کی کہانی کہیں سے بھی شروع ہو' اختتام ہاہاہا پر ہوتا ہے۔

وہ اپنی کلاس فیلوز سے پوچھنے لگا۔

”Rotatouile دیکھی ہے۔۔۔ وہی چوہے والی۔۔۔؟“

”ناں۔۔۔ کون سی؟“

”جس میں چوہا کھانا پکاتا ہے۔“

”اچھا۔۔۔ سو سویٹ۔۔۔ وقت ملتے ہی ضرور دیکھوں گی۔“

”ہاں! وہ کتنا کیوٹ لگتا ہے نا وہ کھانا پکاتے۔۔۔ لو اٹ۔۔۔“

کوئی بھی اس کی طرح آخ نہ کرتا۔۔۔ ناک نہ چڑھاتا۔۔۔ ہاں ٹھیک تھا۔۔۔ ٹھیک تھا کہ وہ مشرق سے آیا بھید تھا۔۔۔ جسے وہ کھول رہا تھا۔۔۔ ان کا ایک انگریز دوست کسی انوکھی بات پر اکثر سر ہلا کر بوڑھے جرنیلوں کی طرح تاسف سے کہا کرتا۔

www.paksociety.com

"تم نے مشرق کے گھاٹ کا پانی پی لیا ہے... تمہاری سمجھ اب سمجھ سے بالاتر ہو چکی ہے۔"

امرحہ سے ملنے کے بعد اب اسے لاہور جانا تھا۔ وہ دیکھنا چاہتا تھا کہ کیا وہاں سب اس جیسے ہیں... کیا سب لڑکیاں ایسے ہی دوپٹوں میں الجھتی ہیں... بری بات پر ناک چڑھا کر "آخ" کرتی ہیں اور چھوٹی چھوٹی باتوں پر آنکھیں نم کر لیتی ہیں...

جب وہ فارغ ہوتا وہ "لاہور نامہ" پڑھتا رہتا۔ یعنی اپنے فارغ اوقات کار میں وہ "لاہور" میں رہتا۔ وہ اتنا لاہور میں رہنے لگا کہ صبح آنکھ کھلتے ہی اسے خود کو یاد کروانا پڑتا کہ وہ St-Anselm Hall میں ہے کینٹ یا مال میں نہیں... وہ روز پاکستانی اخبار بھی ضرور پڑھتا کہ لاہور میں کیا کیا ہو رہا ہے۔ لاہور میں کچھ بدل تو نہیں گیا۔ اس نے لوڈ شیڈنگ کے بارے میں اتنا پڑھا کہ اس نے امرحہ سے پوچھ ہی لیا۔

"کیا واقعی پاکستان بجلی کو لے کر اتنے بڑے کرائسز سے گزر رہا ہے۔"

اس کا رنگ فق سا ہو گیا۔ "نہیں... پر تم کیوں پوچھ رہے ہو...؟"

"نہیں۔" وہ اس کے نہیں پر دنگ تھا۔ ہر روز وہ بجلی کو لے کر خبریں پڑھتا تھا۔

"ایسے ہی... وہ میرا ہاسٹل فیلو بتا رہا تھا۔" اس نے بہانا بنایا۔

"کیا بتا رہا تھا... کوئی پاکستانی ہے یا ہندوستانی۔" اس نے بمشکل اپنا غصہ ضبط کیا۔

عالیان کے لیے یہ حیران کن منظر تھا۔ "یہی کہ وہاں بجلی کا مسئلہ..."

"وہاں کوئی مسئلہ نہیں ہے بجلی کا... سب ٹھیک ہے... جیسے یہاں سب ٹھیک ہے... کیوں ہو گا وہاں کوئی مسئلہ؟" اسے یقیناً "اس ہوسٹل فیلو پر غصہ آ رہا تھا۔ عالیان دنگ اس کی شکل دیکھ رہا تھا۔ اپنے ملک کی عزت کو لے کر وہ اتنی حساس تھی کہ ایک غیر ملکی کے سامنے کسی بھی اندرونی مسئلے کو لے کر بات ہی نہیں کرنا چاہتی تھی' یعنی یہ ان کے گھر کا معاملہ تھا' غیر ملکی دور رہے اس سے۔

"میں نے خبریں سنی ہیں بی بی سی پر... احتجاج دیکھے ہیں۔"

"کبھی کبھار بجلی کا چھوٹا بڑا مسئلہ ہو جاتا ہے تو بس تھوڑے سے لوگ احتجاج کر لیتے ہیں... بس ایسے ہی" ... امرحہ ایک باکمال پاکستانی تھی' سات سالوں کی خون کے آنسو رلانے والی لوڈ شیڈنگ کو وہ چھوٹا بڑا کبھی کبھار کا مسئلہ کہہ رہی تھی...

"کبھی کبھار کے مسئلے پر لوگ ایسے احتجاج کرتے ہیں... انہوں نے حکومتی آفس کو آگ لگا دی تھی۔"

"تم نے کوئی غلط خبر دیکھ لی ہے... ایسا نہیں ہو گا... آگ کیوں لگائے گا بھلا کوئی... سب ٹھیک رہتا ہے لاہور میں... پاکستان میں... بہت پیارا ملک ہے ہمارا... ہمیں وہاں کوئی مسئلہ' کوئی مشکل نہیں ہے۔"

ہاں یقیناً "بہت پیارا ملک ہو گا... جس ملک کی رہنے والی اس کی کسی خامی کو زیر بحث نہیں لا رہی' جس کے خلاف وہ ایک بات نہیں سننا چاہتی' وہ ملک کتنا پیارا ہو گا... وہ امرحہ سے زیادہ پیارا ہو گا نا...

عالیان کو اس کی یہ حساسیت اتنی اچھی لگی کہ اس نے پاکستان کو لے کر وہ خبریں ہی پڑھنی بند کر دیں جن میں کسی مسئلے کی نشاندہی ہوتی... لاہور میں سب ٹھیک ہے... جیسے مانچسٹر میں سب ٹھیک ہے۔

تو امرحہ کا لاہور اس کا ہو گیا تھا... جیسے عالیان کا مانچسٹر امرحہ کا ہو چکا تھا۔ ایسے ہی فاصلے کم ہو جاتے ہیں۔

محبت ہی میں ہم اپنی ساری قیمتی چیزیں ہتھیلی پر رکھ کر پیش کر دیتے ہیں کہ لو یہ آج سے تمہاری ہوئیں۔

کارل سے امرحہ کو چھپائے رکھنا کسی مہم کو سر کرنے کے برابر تھا۔ بظاہر کارل ایسے ظاہر کیا کرتا جیسے وہ بالکل انجان ہے اور اس کے پاس تو اتنا وقت ہے ہی نہیں کہ عالیان کی نگرانی میں ضائع کرتا پھرے... لیکن حقیقت میں وہ ان لوگوں میں سے تھا جو چوبیس گھنٹے کو چوبیس دن بنا لیتے ہیں...

ایک رات جب دونوں سڑک پر شرط لگا کر دوڑ رہے تھے اور کارل جیت چکا تھا تو اس نے پھولے ہوئے سانس کے ساتھ کہا۔

"تم آج کل مسلسل مجھ سے ہار رہے ہو۔"

"ایک دوڑ میں ہرا کر تم مجھے لوزر نہیں کہہ سکتے۔"

وہ ہنسا "ایک دوڑ میں... کم آن عالیان... اس ہفتے میں یہ تیسری بار ہے۔"

"میری صحت کچھ خراب ہو گئی ہے... میں فٹ نہیں ہوں۔"

وہ اور ہنسا "تم ہار رہے ہو... مطلب تم کہیں اور جیت رہے ہو... مجھ سے ہار کو تم اہمیت نہیں دیتے... میرے لیے یہ لمحہ فکریہ ہے... میں نے تم سے کہا کہ مارٹن کو اسٹور روم میں لاک کرنا ہے تو تم نے کہا کہ وہ بے چارہ ڈر جائے گا... اس سے پہلے تو تمہیں کبھی کسی کے ڈرنے کی پروا نہیں ہوئی تھی۔"

"اگر وہ انتظامیہ سے ہماری شکایت کر دیتا...؟"

کارل منہ کھولے اسے دیکھتا رہا۔ "اس سے پہلے ہم ڈیوڈ کے ساتھ یہ کر چکے ہیں اور اسے تو ہم نے کوڑے دان میں کیا تھا... اور بے چارہ بے ہوش ہو گیا تھا... تم اب بدل رہے ہو... میں تمہیں اکیلا بدلنے نہیں دوں گا۔" گھونسا دکھا کر کہا۔

"میں اب بڑا ہو رہا ہوں۔"

"نہیں۔ بڑے ہونے کی نشانیاں نہیں ہیں یہ... مجھے تشویش ہے... بلکہ خوف ہے میں اپنا بہترین دشمن کھو دوں گا۔ یو نو! سر کارل کہتے ہیں دوست ہو نہ ہو دشمن ضرور ہو اور تم جانتے ہو' پوری یونیورسٹی میں میری ٹکر کے صرف تم ہو۔" کارل نے انگلی اٹھا کر کہا۔

"تم انتظار کر لو... فریشرز میں بہت سے میرے تمہاری ٹکر کے آ چکے ہوں گے... جتنی چاہے ٹکریں انہیں مار لینا..."

"میرا خیال ہے وہ بل آ چکا ہے۔" سر کارل نے پرسوچ سر ہلایا۔

عالیان زیر لب ہنسا... "امرحہ... بل... ہاہا۔"

امرحہ کے نام پر ہی وہ ایسے مسکرا دیا کرتا تھا... وہ اس کے ساتھ پر کیسے کیسے نہیں مسکرایا کرے گا... ہر بار ایک نئی مسکراہٹ... اک نئی ادا...

پرانی امرحہ کی جگہ ایک نئی امرحہ... نئی امرحہ کی جگہ لیتی پھر سے پرانی امرحہ...

☼ ☼ ☼

رات کے آخری پہر وہ اپنے کمرے میں آیا۔ کمرے میں کارل موجود تھا' اسے کمرے میں آنے کے لیے۔ کسی کے بھی کمرے میں جانے کے لیے چابی کی ضرورت نہیں پڑا کرتی تھی۔ جس حساب سے وہ جاسوسی' ایکشن فلمیں دیکھتا اور ناول پڑھتا تھا' اب تک جیمز بانڈ نہیں بن چکا تھا تو یہ اس کی کسر نفسی تھی۔

"میرے کمرے سے جاؤ کارل!" اس نے اپنا بور چا کوٹ اتار کر پھینکا۔

"تم کہاں تھے؟"

"تم اپنے کمرے میں جاؤ..."

"تمہیں کیا ہوا ہے؟"

"تمہارا شکریہ میں ادا کر چکا ہوں... اب تم جاؤ۔"

"شکریہ... یہ لفظ پہلے کب ہم دونوں نے استعمال کیا ہے؟ ذرا بتاؤ... وہ لڑکی تمہیں پسند نہیں کرتی۔ بات ختم۔"

"ہاں بات ختم... اب جاؤ۔"

"نہیں... تم ٹھیک سے بات ختم کرو۔" کارل نے اس کی شرٹ کا گریبان پکڑ لیا۔

"میں بات ختم کر چکا ہوں کارل... تم سے بھی اور اس سے بھی۔" اس نے اپنا گریبان آزاد کروایا۔

"اس سے کرنا تو بنتا ہے... اس نے تمہاری بے عزتی کی... لیکن تم؟"

"میں سب سے ختم کر رہا ہوں۔" وہ چلایا۔

"کتنی لڑکیوں کے ساتھ تم نے میرے بریک اپ کروائے... میں نے کبھی ایسے ری ایکٹ نہیں کیا... چند ایک کے ساتھ تو میں سنجیدہ تھا... تم بہت برے

کھلاڑی بنتے جارہے ہو۔"

"ہاں! میں بہت برا کھلاڑی ہوں۔۔۔ بدترین انسان ہوں میں۔۔۔" اس نے کارل کو ہلکا سا دھکا دے کر خود سے دور کیا "تم جاؤ اب۔۔۔"

"تم یہ سب نہیں کرسکتے۔۔۔ ایسے خود کو نہیں بدل سکتے۔" کارل چلایا۔ "ہم دونوں نے بہت وقت ساتھ گزارا ہے۔۔۔ میرا حق ہے تم پر۔"

عالیان نے اپنے منہ کو اس سے چھپانے کی کوشش کی۔

"جاؤ کارل۔۔۔ خدا کے لیے مجھے اکیلا چھوڑ دو۔۔۔" کئی لحظے اسے دیکھتا رہا پھر وہ چلا گیا۔

☼ ☼ ☼

عالیان St-Anselm Hall کے کمرے کی کھڑکی سے برف پر گرتے اندھیرے کو دیکھنے لگا۔

ایک گھر جو اسے کبھی نصیب نہیں ہوا تھا۔۔۔ ایک گھر۔۔۔ ایک خاندان۔۔۔ کارل اور وہ چپکے چپکے اس کے خواب دیکھتے رہے تھے۔ ایک دوسرے کو وہ یہی بتاتے کہ انہیں بزنس ٹائیکون بننا ہے۔۔۔ اور ایک دوسرے سے چھپا کر وہ ہوم ڈیکور کے رسالے دیکھتے رہتے۔ کارل جو اتنی لڑکیاں بدل چکا تھا' صرف اس لیے کہ وہ جان چکا تھا کہ وہ گھر نہیں بنا سکتیں اور جب ان لڑکیوں سے اس کا چھٹکارہ حاصل کرنا ناممکن ہو جاتا تو جیسے وہ خود عالیان کو دعوت دیتا کہ خدا کے لیے میرا بریک اپ کروادو۔

ایک گھر۔۔۔ ایک خاندان۔۔۔ مل کر ایک ہو جاتا۔۔۔ اس کی اہمیت وہی سمجھ سکتا ہے جو ان سے محروم رہا ہو' ۔ عالیان نے تو پھر بھی چند سال اپنی ماں کے ساتھ گزارے تھے' کارل نے تو ہوش ہی کڈز سینٹر میں سنبھالا تھا۔ اس کے والدین ٹرین کے حادثے میں مر چکے تھے۔ سوتیلے نانا اور نانی نے اسے اس کڈز سینٹر کے حوالے کردیا تھا۔

ایک بار اس نے امرحہ سے پوچھا۔

"تمہارے وہاں گھر کیسے بنتے ہیں؟"

"مطلب تعمیرات؟"

"نہیں۔۔۔ مطلب کیا خواہش رکھی جاتی ہے ایک گھر کو لے کر کہ وہ ایسا ہو؟"

"اچھا یہ۔۔۔ اگر کوئی الہ دین کا چراغ پوچھ رہا ہے کہ گھر کیسا ہو تو سعودی شہزادے طلال کے محل جیسا یا پام سٹی میں میڈونا کے گھر جیسا۔۔۔"

وہ ہنسا۔۔۔ "الہ دین نہیں ایک عام انسان پوچھ رہا ہے۔۔۔ مجھ جیسا عام۔۔۔"

"اچھا!" اس کا منہ لٹک گیا۔ الہ دین کا خواب چکنا چور ہوا۔ اب اسے شہزادے طلال جیسا محل کون بنا کر دے گا۔۔۔ عالیان زیر لب ہنسا۔

"اگر میں بزنس ٹائیکون بن گیا تو اسے ایک محل بنا دوں گا۔۔۔ اور میں نے اپنے پیسے کا کرنا ہی کیا ہے لیکن اگر میں اس کے لیے الہ دین نہ بن سکا تو۔۔۔؟

"ایک بڑا سا باغ ہو' جس میں کئی سو پھول کھلے ہوں۔۔۔ اس باغ میں گھر کی بڑی بڑی کھڑکیاں کھلتی ہوں۔۔۔ پیچھے بھی کئی سو پھولوں والا ایک باغ ہو ایک چھوٹی سی آبشار کے ساتھ اور اس میں بھی بڑی بڑی کھڑکیاں کھلتی ہوں گھر کی۔۔۔ یہ ماسٹر بیڈ روم ہو اور لائبریری۔۔۔ گھر کی چھت بہت اونچی ہونی چاہیے۔۔۔ یعنی اتنی کہ چھ فٹ لمبا فانوس لگا ہو تو سر اٹھا کر دیکھنے پر وہ دور۔۔۔ بہت دور لگے۔"

"یہ ایک عام آدمی کا گھر ہی ہے نا امرحہ!" اسے ٹوکنا پڑا۔

وہ رک کر سوچنے لگی اور خاموش ہو گئی۔۔۔ یعنی خفا ہو گئی۔ مطلب ایک سیدھا سا جواب اس سے حاصل کرنا مشکل تھا۔ کہیں وہ اتنی ذہین تھی کہ فوراً "جواب گھڑ لیتی تھی۔

"نہیں کوئی ایشو نہیں ہے گیس کا۔۔۔ کس نے کہا۔ موبائل چھین لیے جاتے ہیں جھوٹ۔۔۔ یہ مغلی اخبارات نا۔۔۔ یہاں تو تم لوگ انگلی اٹھاتے ڈرتے ہو نا کہ پولیس کو نہ بلوا لے۔ ہم لوگ وہاں سیدھا سیدھا تھپڑ مار دیتے ہیں۔۔۔ تھپڑ اور کوئی پولیس نہیں آئی۔"

اور کچھ معاملات میں وہ ایسی تھی جیسے اونگے بونگے

لوگ ہوا کرتے ہیں اور انہیں احساس بھی نہیں ہوتا کہ وہ کس قدر بونگے ہیں اور ہاں یہ احساس بھی نہیں ہوتا کہ ان کا یہ بونگا پن کسی کو بہت اچھا لگتا ہے اتنا کہ اپنے چھ سات ہوسٹل میٹس کے ساتھ گپیں ہانکتے' سڑک پر چہل قدمی کرتے۔۔۔ اپنے بیڈ کی چادروں کو یونانی طرز پر جسم پر باندھے ایک کندھا عریاں رکھے۔۔۔ یونانی ہی تیز میوزک پر کوریڈور میں ٹھمکے لگاتے اور اپنے دیگر بندر لنگور کے کرتب کرتے کوئی اسے ہی سوچتے' اسی کے لیے زیر لب ہنستا ہے۔ کوئی ٹھٹھرتی راتوں میں لحاف پھینک کر اٹھ بیٹھتا ہے' وہ خود کو تلاش کرتا ہے۔

عالیان۔۔۔ ہاں عالیان۔۔۔ کہاں گیا وہ بے چارہ۔۔۔ ساتھ کے کمروں میں جب کوئی پاجامہ پارٹی' Do or Die (کرو یا مرو) یا اسٹوڈنٹس کا Opera چل رہا ہوتا تو وہ اپنے کمرے میں بیٹھا کسی اور کو محسوس کر رہا ہوتا۔۔۔ کارل اسے گھسیٹ کر لے جانے کی کوششیں کرتا۔

"تم میاؤں میاؤں بلی بنتے جا رہے ہو۔۔۔ چلو شیر بنو اور ذرا دھاڑ کر دکھاؤ۔" وہی فارغ اوقات میں کی جانے والی ان کی کبھی ایکشن' کبھی مسٹری' کبھی ہارر اور کبھی مزاحیہ موویز جیسی حرکتیں اور شرارتیں' لیکن اب اس سب میں اس کا خاص دل نہیں لگتا تھا۔ وہ کر تو لیتا تھا لیکن بس خود کو پرانا والا عالیان ثابت کرنے کے لیے۔۔۔ اسے ڈر لگتا تھا کہ کوئی اس کے دل کا بھید نہ پا جائے۔۔۔

بھید جو بھوری آنکھوں نے کالی آنکھوں سے کشید کیا تھا۔

بھید جو محبت میں ملفوف دل پر کھلتا ہے۔۔۔ صرف محبت میں ملفوف دل پر۔۔۔

اسے یہ چونکا سا دینے والی لڑکی اس قدر اچھی لگی کہ اس کی کوئی بات اسے بری نہیں لگتی۔ اس کی کسی بات پر اسے غصہ نہیں آتا۔۔۔ اس کی کسی بات پر وہ بھڑکتا نہیں تھا۔ وہ اس کے لیے وہ پری تھی جو دو دموں والے بندر سے خوف زدہ ہو جاتی ہے۔۔۔ سارا مانچسٹر ہی اس کے لیے دو دموں والا بندر تھا۔۔۔ وہ حیران ہو ہو کر ڈر ڈر جاتی۔ اس کا خیال تھا دنیا میں سب سے اہم محبت ہوتی ہے۔۔۔ امرحہ نے اسے سمجھا دیا تھا کہ اور کیا کیا کچھ اہم ہوتا ہے۔۔۔

عالیان کھڑکی میں کھڑا تھا اور آج پہلی بار امرحہ کے بارے میں سوچتے وہ زیر لب مسکرا نہیں رہا تھا۔ اسے رات گزرنے کا غم نہیں تھا کہ اگر رات گزر گئی تو وہ کس وقت امرحہ کو سوچے گا۔

باہر فروری برف کی صورت برس رہا تھا۔۔۔

فروری جسے جدید دنیا نے سرخ۔۔۔ سرخ۔۔۔ سرخ رنگ ڈالا ہے یہ فروری آج اس سرخ۔۔۔ پر سفیدے کی صورت گرے اس کا گلا دبا رہا تھا۔

☼ ☼ ☼

پیر کو وہ یونیورسٹی آئی تو جو پہلا شخص اس کے پاس آیا' وہ کارل تھا۔ چمڑے کی جیکٹ میں دونوں ہاتھ ڈالے' بنا ٹوپی اور مفلر کے وہ بہت غصے سے اسے گھور رہا تھا۔

"تم یونیورسٹی سے خود جاؤ گی یا میں تمہیں نکلواؤں؟"

یہ بات کہتے وہ انتہا کا سنجیدہ تھا۔ وہ جواب دیے بغیر آگے بڑھی ہی تھی کہ اس کے کراس بیگ کے اسٹرپ میں اس نے پین کو اڑس کر اسے بری طرح سے پیچھے کھینچا۔

"کیا بدتمیزی ہے یہ۔۔۔؟"

وہ ابھی بھی خاموشی سے اسے گھور رہا تھا۔

"میں تمہاری شکایت کر دوں گی۔۔۔ دو دن میں یونیورسٹی سے باہر ہو گے۔"

"تمہیں دو سیکنڈ بھی نہیں لگیں گے دنیا سے باہر ہونے میں۔۔۔ اگر عالیان واپس نہ آیا تو۔۔۔"

امرحہ نے چونک کر کارل کو غور سے دیکھا۔ "کیا مطلب۔۔۔؟"

"میں نے کہا' اگر عالیان واپس نہ آیا تو۔۔۔" سختی سے وہ اسے دھمکا رہا تھا۔

"عالیان کہاں ہے؟"

"تم بتاؤ۔ عالیان کہاں ہے؟" الٹا اس نے پوچھا' اس انداز میں پوچھا کہ امرحہ ڈر گئی۔

"تم خود کو سمجھتی کیا ہو۔۔۔ عالیان کے مقابلے میں تم ہو کیا۔۔۔ تم جیسی لڑکی جو ایک ڈگری لینا پہاڑ سر کرنے کے برابر سمجھتی ہے' وہ آخر خود کو سمجھتی کیا ہے۔۔۔ کس دنیا سے آئی ہو' تم جانتی ہو نا۔۔۔ یا میں تمہیں یاد دلاؤں کہ تمہاری حقیقت کیا ہے۔"

"تم کہنا کیا چاہ رہے ہو؟" امرحہ بری طرح سے ڈر گئی۔

"کہنا نہیں بتانا۔۔۔ عالیان کا کوئی خاندان نہیں ہے' وہ ایک ناجائز بچہ ہے اور وہ تمہاری طرح اچھا مسلمان نہیں ہے۔۔۔ ایک تم ہی ہو اچھی والی مسلم نن۔۔۔ اس کی ماں ایک بری عورت تھی اور باپ۔۔۔ ہونہہ۔"

امرحہ یکدم سانس لینا بھول گئی۔۔۔ یونیورسٹی کی محراب موم بتی کی لو کی طرح تھرتھرانے لگی۔۔۔

"یہ سب تمہیں کس نے بتایا؟" امرحہ کی جان مٹھی میں آ گئی۔

"بتایا۔۔۔ ہونہہ۔۔۔ میں نے خود سنا ہے۔۔۔ ان فیکٹ آدھی یونیورسٹی نے سنا ہے۔۔۔ وہ سب جو تمہاری سوچ ہے۔۔۔ جو حقیقت میں تم ہو۔۔۔ ویسے تم لوگ بہت پڑھے لکھے بنتے ہو۔ مانچسٹر جیسی یونیورسٹی میں پڑھنے آتے ہو۔۔۔ خود کو تعلیم یافتہ کہلواتے ہو اور اندر سے وہی گھسی پٹی گھٹیا سوچ رکھتے ہو جاہل لوگ۔۔۔ ہونہہ۔"

"مجھے بتاؤ کارل! تم کس سننے کی بات کر رہے ہو۔" تھرتھراتی محراب گرنے کو تھی۔۔۔ وہ گر جائے گی۔ نظر آ رہا تھا۔ وہ گر جائے گی۔

"جو تم نے عالیان کے لیے ویرا سے کہا' وہ سب ریکارڈنگ ہے میرے پاس۔۔۔ سنو گی۔"

محراب دھڑام سے زمین بوس ہوئی۔۔۔ افسوس۔۔۔ اس محراب کے عین نیچے ہی امرحہ کھڑی تھی۔۔۔ امرحہ کو پُرشور جھکڑ نے آ لیا۔۔۔ اس کی نظر دھندلا گئی۔۔۔ اسے کارل ٹھیک سے دکھائی نہیں دے رہا تھا۔۔۔ نہیں۔۔۔ اسے تو دنیا میں کچھ بھی دکھائی نہیں دے رہا تھا۔۔۔

بس اتنی سی دیر لگتی ہے اندھا ہونے میں۔۔۔ اتنی سی دیر میں روشنیاں گل ہو جاتی ہیں۔

"وہ سب کیا؟" وہ بمشکل پوچھ سکی۔

"جو جو تم نے ویرا سے کہا تھا وہ سب۔۔۔ امرحہ۔۔۔ دی مینڈکی۔۔۔ اب عالیان کو ڈھونڈ کر تم لاؤ گی۔۔۔ ورنہ اپنا سامان باندھ کر رکھنا۔۔۔ ٹرسٹ می! ملکہ الزبتھ بھی تمہیں برطانیہ میں نہیں رکھ سکے گی۔"

پین سے اس کے کراس بیگ کے اسٹرپ کو پوری شدت سے کھینچ کر وہ چلا گیا۔۔۔ وہ چلا گیا اور کیا کہہ گیا۔ امرحہ نے نہیں سنا تھا۔۔۔ وہ اسے نہیں سن رہی تھی۔۔۔ وہ اسے کیسے سن سکتی تھی۔۔۔ وہ تو۔

پھر سے ایک تیز سیٹی کی آواز۔۔۔ چھک چھک۔۔۔ جیسے زنگ آلود وزنی انجن کی ریل سزائے موت کے قیدی کا پیچھا کرتی "اپنے اندر جلاد بٹھائے بھاگی چلی جاتی ہو۔۔۔ کتنی جلدی ہے۔ جلاد کو قیدی کا سر تن سے جدا کرنے کی۔ وہ اس حالت میں آ گئی' جس میں کسی خونخوار درندے کے لیے لگائے گئے ہڈی توڑ لوہے کے وزنی شکنجے میں انسانی پیر آ جاتا ہے۔

اف۔۔۔ موت بھی اور تکلیف بھی۔۔۔ آہ۔

وہ ایک ابابیل تھی۔۔۔ اس پر "آہ" فرض نہ تھی' ۔۔۔ وہ بزنس اسکول کی طرف بھاگی۔۔۔ عالیان کو ڈھونڈنا چاہا۔۔۔ وہ نہیں ملا۔۔۔ اس کے چند دوستوں سے پوچھا۔۔۔ انہیں معلوم نہیں تھا۔۔۔ اس کا فون بند تھا۔

وہ تو کہا کرتا تھا' وہ خود کو مار ڈالے گا' کلاس نہیں چھوڑے گا۔۔۔ مر جائے گا پر۔۔۔ تو کیا اس نے خود کو مار ڈالا تھا۔۔۔؟

تو کیا وہ مر چکا تھا۔۔۔ کیا واقعی۔۔۔ عالیان مارگریٹ مر چکا تھا۔ چند دن پہلے بچوں کے گالوں پر چٹکی بھرنے والا' ۔۔۔ اس سے بھی پہلے اس کے لیے کراسنگ پر قلابازیاں لگانے والا۔۔۔ اور۔۔۔ بھوری آنکھوں والا لارڈ میئر۔۔۔ مر چکا تھا۔۔۔ اتنی جلدی۔

(باقی آئندہ ماہ ان شاء اللہ)